بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ذہن پرستی

مصنّف

مسعود احمد

امیر جماعت المسلمین

جماعت المسلمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتابت ــــــ عبد الحفیظ
اشاعت ــــــ ششم
تعداد ــــــ تین ہزار
سال طبع ــــــ ۱۴۱۳ھ مطابق ۱۹۹۳ء
مطبع ــــــ قریشی آرٹ پریس
قیمت ــــــ

جملہ حقوق طبع بحق جماعت المسلمین
رجسٹرڈ (رجسٹریشن نمبر ۳۶۶/۱۹۸۵ پرانا نمبر ۲۱۶۳/۹۵-۹۶) محفوظ ہیں۔

فہرست

نمبر	عنوان	صفحہ
۱	فرقہ واریت کی ابتداء	۵
۲	تصوّف۔ ذہن سازی اور ذہن پرستی	۲۱
۳	انکارِ حدیث۔ ذہن پرستی کی ریشہ دوانیاں	۲۲
۴	اجرائے نبوّت۔ ذہن پرستی کی فتنہ سامانیاں	۲۸
۵	سبائیت۔ ذہن پرستی کی سازشیں	۳۲
۶	ذہن پرستی کی ایک اور مثال مغالطے ہی مغالطے	۳۶
۷	ذہن پرستی کی ایک اور مثال تحقیق کی موشگافیاں	۴۱
۸	ذہن پرستی کی تازہ ترین مثال ذہن پرستی کی ستم ظریفیاں	۴۶
۹	غیر مقلّدین میں تقلید کی شدّت ذہن پرستی کے کرشمے	۱۰۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جماعت المسلمین کی دعوت

ہمارا حاکم	صرف ایک	یعنی :	اللہ تبارک وتعالےٰ	.. اللہ کے سوا کوئی نہیں
ہمارا امام	صرف ایک	یعنی :	محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	.. فرقہ وارانہ امام نہیں
ہمارا دین	صرف ایک	یعنی :	اللہ کا پسند کردہ دین اسلام	.. فرقہ وارانہ مذہب نہیں
ہمارا نام	صرف ایک	یعنی :	اللہ کا رکھا ہوا نام مسلم	.. فرقہ وارانہ نام نہیں
بنیادِ محبت	صرف ایک	یعنی :	اللہ تعالےٰ سے تعلق	.. دنیوی تعلقات نہیں
وجہِ افتخار	صرف ایک	یعنی :	ایمان باللہ العظیم	.. وطن اور زبان نہیں

اگر آپ اس دعوت سے متفق ہیں تو ہمارے ساتھ تعاون فرمائیں۔

پمفلٹ مفت طلب فرمائیں۔

جماعت المسلمین

مسجد المسلمین۔ کوثر نیازی کالونی۔
نارتھ ناظم آباد بلاک جی کراچی ۳۳

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

ذہن پرستی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :

مَا مِنۡ مَوۡلُوۡدٍ اِلَّا يُوۡلَدُ عَلَى الۡفِطۡرَةِ فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ اَوۡ يُنَصِّرَانِهٖ اَوۡ يُمَجِّسَانِهٖ

ہر بچہ فطرت (اسلام) پر پیدا کیا جاتا ہے، بعد میں اس کے والدین اُسے یہودی یا عیسائی یا مجوسی بنا لیتے ہیں۔

(صحیح بخاری تفسیر سورۃ الروم)

حدیث بالا سے ثابت ہوا کہ بچہ کا ذہن فطرتاً حق کی طرف مائل ہوتا ہے لیکن جب بیرونی عوامل اس پر اثر انداز ہوتے ہیں تو وہ ذہن آہستہ آہستہ ان ہی عوامل کی روشنی میں ڈھلتا چلا جاتا ہے۔ والدین، ماحول اور معاشرہ اُس کے ذہن کو اس قدر مسموم کر دیتے ہیں کہ پھر وہ اس قابل نہیں رہتا کہ حق و باطل میں تمیز کر سکے، نورِ حق کی فطری چنگاری یا تو بجھ جاتی ہے یا اس قدر باطل کے ڈھیر کے نیچے دب جاتی ہے کہ اس کا عدم اور وجود برابر ہو جاتا ہے۔

والدین کے ذہن میں یہ چیز پہلے سے موجود ہوتی ہے کہ اُن کے آباء و اجداد ہی حق پر تھے اور باقی سب باطل پر۔ وہ اپنے آباء و اجداد کے خلاف کچھ سننا پسند نہیں کرتے، حق کو ٹھکرا دیتے ہیں لیکن اُس چیز کو چھوڑنا گوارا نہیں کرتے جو پہلے سے ان کے ذہن میں جاگزیں ہوتی ہے۔ اُن کا یہ فعل ان کی ذہن پرستی

کی غمازی کرتا ہے۔ پھر وہ اپنے بچوں کی ذہن سازی بھی اسی اصول پر کرتے ہیں۔ ذہن سازی کے نتیجے میں بچوں کا ذہن بھی ذہن پرستی اختیار کر لیتا ہے اور پھر وہ بھی اپنے آباء و اجداد ہی کو حق پر سمجھنے لگتے ہیں۔ آباء و اجداد کو حق پر سمجھنے کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ہر بچہ اپنے آباء و اجداد کو معیارِ حق سمجھ لیتا ہے اور اس طرح لاتعداد معیارِ حق وجود میں آتے ہیں۔ معیارِ حق کا اتنی کثیر تعداد میں ہونا خود اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ معیارِ حق نہیں ہو سکتے۔ معیارِ حق تو ایک ہونا چاہیئے، لیکن اتنی معمولی بات بھی ان کی سمجھ میں نہیں آتی، عقل پر پردہ پڑ جاتا ہے اور قلب پر مہر لگ جاتی ہے، اب ہدایت نصیب ہو تو کیسے ہو اور ذہن بدلے تو کس طرح بدلے۔

اس ذہن پرستی سے چھٹکارا دلانے اور تسلیم حق کے جذبہ کو ازسرِنو قائم کرنے کے لئے اللہ تعالےٰ نے مختلف زمانوں اور قوموں میں انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا۔ لیکن یہ ذہن کے پرستار انبیاء علیہم السلام کو یہی جواب دیتے رہے:

اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓی اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓی اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ○	ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو ایک خاص طریقہ پر پایا ہے اور ہم تو بس انہی کے قدم بقدم چلیں گے۔
(زخرف ـ ۲۳)	

فرقہ واریت کی ابتداء

انبیاء علیہم السلام کے مخاطبین میں بعض ایسے سعید انسان بھی ہوتے ہیں جو انبیاء علیہم السلام کے لائے ہوئے حق کو قبول کرکے ذہن پرستی کی لعنت

سے نجات حاصل کر لیتے ہیں، لیکن پھر آئندہ نسلوں میں آہستہ آہستہ یہ جذبۂ تسلیم حق مضمحل ہو جاتا ہے اور ذہن پرستی پھر عام ہو جاتی ہے۔ آبائی تقلید کے راستے سے علماء کی تقلید ذہن کو متاثر کرتی ہے۔ آباء و اجداد جن علماء کو حق پر سمجھتے رہے، اولاد بھی انہی علماء کو حق پر سمجھتی ہے اور صرف حق پر ہی نہیں سمجھتی بلکہ اُن کو معیارِ حق سمجھنے لگتی ہے، اس طرح پھر لاتعداد معیارِ حق وجود میں آتے ہیں، فرقہ بندی کی ابتداء ہوتی ہے اور اُمّت کا شیرازہ بکھر جاتا ہے۔

علماء پرستی اِس درجہ تک لوگوں کے ذہن پر چھا جاتی ہے کہ پھر وہ اپنے عالم، امام یا پیر کے خلاف کچھ سننا نہیں چاہتے بلکہ حق کو اپنے ذہن کا تابع بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اُن کے علماء اور پیر بھی شعوری یا غیر شعوری طور پر مسلسل ان کی ذہن سازی کرتے رہتے ہیں۔ اپنے متبعین کی ذہن پرستی کو قائم اور دائم رکھنے کے لئے ایسے اصول مرتّب کرتے ہیں جن سے ذہن پرستی اور جمود میں اضافہ ہو اور اُن کے نام نہاد حق کو جس کو وہ نادانی سے حق ملنے کا نہیّہ کر چکے ہیں سہارا مل سکے۔ مثلاً ابو الحسن عبید اللہ کرخی لکھتے ہیں:

ان کل خبر یجیئ بخلاف قول اصحابنا فانه یحمل علی النسخ اوعلی انه معارض بمثله ثم صار الی دلیل اخراوترجیح فیه بما یحتج به اصحابنا من وجوه الترجیح اویحمل علی التوفیق۔ (اصول کرخی اصل ۲۹)	بے شک ہر اس حدیث کو جو ہمارے اصحاب (یعنی فقہائے حنفیہ) کے خلاف ہوگی نسخ پر محمول کیا جائے گا یا یہ سمجھا جائے گا کہ یہ حدیث اُسی جیسی کسی دوسری حدیث کے خلاف ہے پھر کوئی اور ایسی دلیل یا وجہ ترجیح اُن وجوہ ترجیح میں سے جن کی بنیاد پر ہمارے اصحاب حجت قائم کرتے ہیں

لائی جائے گی یا اُسے تطبیق پر محمول کیا جائیگا۔

اس اصول نے مفروضہ پر مفروضہ قائم کر کے کس طرح صحیح حدیث کو تسلیم نہ کرنے کی تربیت دی ہے، گویا اس اصول کے ذریعہ ذہن کو ایسا بنایا جا رہا ہے کہ پھر وہ حق کو تسلیم کرنے کے لئے کبھی تیار نہ ہو۔

یہ اصول صرف احادیث تک ہی محدود نہیں بلکہ قرآن مجید کی آیات بھی اسی جیسے اصول کے ماتحت تسلیم نہیں کی جاتیں، ابوالحسن کرخی لکھتے ہیں:

ان کل اٰیۃ تخالف قول اصحابنا فانھا تحمل علی النسخ او علی الترجیح والاولی ان تحمل علی التأویل من جھۃ التوفیق۔	ہر وہ آیت جو ہمارے فقہاء کے قول کے خلاف ہوگی اُسے یا تو نسخ پر محمول کیا جائے گا یا ترجیح پر محمول کیا جائے گا اور اولیٰ یہ ہے کہ اُس آیت کو تاویل پر محمول کیا جائے تاکہ توافق ظاہر ہو جائے۔
(اصول کرخی اصل ۲۸)	

اسی قسم کا ایک کلیہ اور بھی ہے۔ ان تین کلیات کی قباحت اتنی شدید ہے کہ مولوی عبدالقدوس ہاشمی بھی چیخ اٹھے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

"اُن میں سے تین کلیات امام الکرخی کی فقہ حنفیہ سے شدید وابستگی کے نتائج ہیں۔ انہیں حقیقۃً فقہی کلیات نہیں کہا جا سکتا" (مقدمہ اصول الکرخی شائع کردہ ادارۂ تحقیقات اسلامی۔ اسلام آباد ۱۴۰۲ھ ص۱)

بتلایئے اس ذہن سازی (BRAIN WASHING) کے بعد کیا کسی شخص کے ذہن میں یہ صلاحیت باقی رہے گی کہ وہ آیت یا حدیث کو تسلیم کر کے اپنے فقہاء کے قول کو مسترد کر دے۔ ایسا ذہن کھلم کھلا قرآن مجید کی کسی آیت یا کسی حدیث کا انکار تو نہیں کر سکتا لیکن محض مفروضات کی بھول بھلیوں میں الجھ کر

قرآن مجید اور حدیث کو صرف حصولِ برکت کے لئے رہنے دیتا ہے، تسلیم اور اتباع کے لئے نہیں، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

کیا اس ذہن پرستی کے بعد بھی یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ ایسا ذہن کسی موقع پر بھی حق کو تسلیم کریگا؟ ظاہر ہے کہ عموماً ایسا نہیں ہوگا، تو پھر یہ کہنا صحیح ہے کہ فرقہ بندی کی بقاء و تحفظ کا دار و مدار ذہن پرستی پر ہے اور ذہن پرستی ہی تمام برائیوں کی جڑ ہے۔

حیرت ہوتی ہے کہ ذہن سازی اور ذہن پرستی کے لئے کیسے کیسے اصول بنائے گئے! عقل حیران ہے کہ اللہ عزّ وجلّ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھنے کا دعویٰ کرنے والے یہ اصول کیسے بناتے رہے اور کس طرح اللہ تبارک وتعالےٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھنے والے ان اصولوں کو تسلیم کرتے رہے اور ان پر عمل بھی کرتے رہے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب محدّث دہلوی نے احناف کے ان اصولوں کا تفصیل سے تذکرہ کیا ہے جو احادیث صحیحہ کو ردّ کرنے کے لئے بنائے گئے ہیں۔ ان میں سے دُو اصول ملاحظہ فرمایئے۔ شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں :۔

(۱) کہا بعض صاحب فتاویٰ نے کہ جب کسی مسئلہ میں قول امام اعظم اور صاحبین کا ہو اور اس مسئلہ میں کوئی حدیث بھی ہو اور اس حدیث کے بارہ میں حکم صحت کا دیا گیا ہو تو واجب ہے کہ امام اعظم اور صاحبین کے قول کی اتباع کی جائے نہ کہ حدیث کی اس واسطے کہ ہم جانتے ہیں شان میں حضرت امام اعظم اور صاحبین کے کہ یہ باوجود صحیح ہونے احادیث کے آپ صاحبوں نے یہ دریافت فرمایا

کہ کس حدیث میں معارضہ ہے اور کس حدیث سے استنباط صحیح ہے یعنی یہ سب تحقیق کر کے ان حضرات نے کسی مسئلہ میں حکم فرمایا ہے کہ ان ائمہ کا قول خلاف حدیث کے نہیں ہے اور ان ائمہ کرام کے متعلق ہمارا گمان نہیں کہ ان ائمہ کو حدیث نہ پہنچی ہو اس واسطے کہ ان ائمہ کا زمانہ قریب ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور ان ائمہ کا علم وسیع تھا۔

(۲) جس روایت کو راوی غیر فقیہ نے روایت کیا ہو اور وہ ایسی روایت نہیں کہ اس میں رائے کو دخل ہو سکے تو اس کو قبول کرنا واجب نہیں۔ (فتاوی عزیزی جلد اول ص ۱۲۹ مطبوعہ مطبع مجیدی کانپور)

بتلایئے ان دو اصولوں کی موجودگی میں کوئی ایسی حدیث ہوگی جو مانی جائے گی؟ ائمہ کی رائے کو ماننا اس قدر ضروری سمجھا گیا کہ صحابی کو غیر فقیہ کہہ کر اس کی ہر روایت کردہ حدیث کا انکار کیا جا رہا ہے گویا دین سازی صرف اللہ تعالیٰ کا کام نہیں تھا، اللہ تعالیٰ نے تو نعوذ باللہ دین کو نامکمل چھوڑ دیا تھا۔ ائمہ نے اپنی آراء اور اجتہاد سے اس کو مکمل کیا، بعد والوں نے ان کی رائے کے خلاف اگر کوئی حدیث دیکھی جو بقول ان کے کسی غیر فقیہ صحابی سے مروی تھی تو اس حدیث پر ائمہ کی رائے کو ترجیح دی اور اُسے دین سمجھا۔ اللہ تعالیٰ کے دینِ خالص میں ائمہ کی آراء کی یہ آمیزش کس قدر حیرت انگیز ہے!

شاہ عبدالعزیز صاحب نے جس اصول کا حوالہ دیا ہے اَب وہ اصول، اصولِ فقہ کی زبان سے سنیئے:۔

والراوی ان عرف بالفقه والتقدم فی الاجتهاد کالخلفاء الراشدین والعبادلة کان حدیثه حجة یترك به القیاس خلافاً لمالك وان عرف بالعدالة والضبط دون الفقه کانس وابی هریرة ان وافق حدیثه القیاس عمل به وان خالفه لم یترك الا بالضرورة (نورالانوار)	اگر راوی فقہ اور تقدم فی الاجتہاد میں معروف ہو جیسے خلفاء راشدین اور عبداللہ (ابن عمر و ابن مسعود و ابن عباس وغیرہ) تو اس کی بیان کردہ حدیث حجت ہوگی، اس کی وجہ سے مالکی مسلک کے برعکس قیاس کو ترک کر دیا جائے گا اور اگر راوی عدالت اور ضبط میں معروف ہو لیکن اس میں فقہ نہ ہو جیسے انسؓ اور ابوہریرہؓ تو اگر اس کی روایت قیاس کے موافق ہوگی اس پر عمل کیا جائے گا اور اگر مخالف ہوگی تو اسے چھوڑا نہیں جائے گا مگر ضرورتاً۔

نورالانوار کی اس عبارت کے بعد اس کی شرح قمرالاقمار کی عبارت ملاحظہ ہو۔

وهی انه لو عمل بالحدیث لانسد باب الرأی من کل وجه فیکون مخالفاً لقوله فاعتبروا یا اولی الابصار..... وهذا لیس ازدراء بابی هریرة واستخفافا به معاذ الله منه بل بیانا لنکتة فی هذا المقام۔ (قمرالاقمار مع نورالانوار)	اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر اس حدیث پر بھی عمل کیا جائے تو رائے کا دروازہ بالکل ہی بند ہو جائے گا اور یہ اللہ تعالےٰ کے فرمان "اے آنکھوں والو، عبرت حاصل کرو" کے خلاف ہوگا....... اور معاذاللہ یہ ابوہریرہ کی توہین اور ان کا استخفاف نہیں ہے بلکہ اس مقام پر ایک نکتہ بیان کرنا مقصود ہے۔

مطبوعہ ملک سراج الدین اینڈ سنز ہو۔

صـ ۱۷۹ و مطبوعہ مطبع مجیدی کانپور صـ ۱۰۹)

مندرجہ بالا عبارت آپ کے سامنے ہے، رائے پر چلنا اور چلانا اس قدر ضروری ہے کہ اس کے لئے حدیث کو رد کر دیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں، بلکہ ایسا کرنا ضروری ہے ورنہ اللہ تعالےٰ کے حکم کی خلاف ورزی ہوگی۔ قرآن مجید کے الفاظ "فاعتبروا یا اولی الابصار" (اے عقل والو، نصیحت وعبرت حاصل کرو) کو کتنا بے محل حجّت بنایا گیا ہے، اب اگر کوئی کسی حدیث کو ردّ کرتا ہے تو اپنی تائید میں یہی آیت پڑھ دے گا، اور پھر جس طرح نور الانوار اور قمر الاقمار والے نے حضرت ابو ہریرہؓ یا حضرت انسؓ جیسے جلیل القدر اصحاب اور مسلمہ فقہاء کو غیر فقیہ کہدیا اسی طرح وہ بھی کسی صحابی کو غیر فقیہ کہہ کر اس کی روایت کردہ حدیث کو اپنی رائے پر قربان کر دے گا، حدیث کے الفاظ کی حفاظت اور اس کو بعینہ دوسرے تک پہنچانے کے لئے جس چیز کی ضرورت ہے وہ عدالت اور ضبط ہی ہے لیکن ان اصولیوں کے نزدیک اس پر ایک شرط اور زائد ہے یعنی فقاہت۔ فقاہت کی شرط لگا کر رائے اور قیاس کو کس جرأت کے ساتھ دین میں داخل کر دیا گیا ہے، گویا ائمہ کے قیاس اور رائے کو دین کا درجہ دیا جارہا ہے۔ افسوس ہے کہ مذکورہ بالا اصول بناتے وقت ان لوگوں کو یہ خیال نہ آیا کہ اس سے تو شرک فی التشریع کی بنیاد پڑ جائے گی، سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ شعوری یا غیر شعوری طور پر ایسا کیوں کرتے رہے؟ آخر اس کا کیا مقصد تھا؟ فقہی مذہب کے لئے اس قدر حمایت کی کیا ضرورت تھی؟ فقہی مذہب پر جمائے رکھنے کے لئے ذہن سازی کیوں کی

جا رہی تھی؟ کیا وہ فقہی مذہب اپنے اندر کوئی جاذبیت، کشش اور حقانیت نہیں رکھتا تھا کہ اس کی طرف مائل کرنے اور اس پر جمائے رکھنے کے لئے دوسرے طریقے استعمال کئے جا رہے تھے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس ذہن سازی نے صرف حق ہی کو نہیں ٹھکرایا بلکہ توحید کی بنیادیں بھی کھوکھلی کر دیں اور صرف کھوکھلی ہی نہیں کیں بلکہ اکھاڑ کر پھینک دیں۔ بتائیے اس ذہن سازی کے بعد بھی کسی فرقہ پرست سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ حق کو قبول کرے گا۔ ذہن سازی کے بعد جو ذہن پرستی پیدا ہوئی اب ذرا اس کا نقشہ بھی ملاحظہ فرمائیے۔ ایک صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

" جس حدیث سے امام ابو حنیفہؒ نے استدلال کیا ہے ہمارا اس کے متعلق یہ عقیدہ ہے کہ انہوں نے اس کو صحیح سمجھا ہے اور اس کے راویوں کی توثیق کی ہے۔ اب ہم اس شخص کے قول کی طرف توجہ نہیں دیں گے جو قول کہ ابو حنیفہؒ کے خلاف ہو گا خصوصاً جبکہ وہ شخص ابو حنیفہؒ سے علم و فقہ میں کمتر ہو، ہم یہی کہیں گے کہ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں، مقبول ہیں اور ارباب ظواہر کی تضعیف و جرح کی مطلق پرواہ نہیں کریں گے اگرچہ وہ تضعیف کرنے والے امام بخاری و امام مسلم جیسے بڑے بڑے مشاہیر ہی کیوں نہ ہوں" (تقریظ بر نتائج التقلید مصنفہ حکیم محمد اشرف سندھو بلوکی صک بحوالہ مقدمہ تعلیق المختار شرح کتاب الآثار امام محمد مطبوعہ لکھنؤ ص۲۶)

کسی نے کیا خوب کہا ہے " حبك الشئ يعمي ويصم " (کسی چیز کی محبت تمہیں اندھا اور بہرا بنا دیتی ہے) ۔ کیا خوب عقیدہ ہے کہ محض گمان کی بنیاد پر امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ جیسے مشاہیر کی جرح و تعدیل کو مسترد کر دیا جائے گا

(نعوذ باللہ من شرور انفسنا۔ ہم اپنے نفسوں کی شرارتوں سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں)۔

صاحب تعلیق المختار نے امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کا نام لے کر گویا امام ابوحنیفہؒ کو تمام محدثین اور ائمہ جرح وتعدیل سے برتر قرار دے دیا (فلیبك علی الاسلام من کان باکیا۔ جو شخص رونا چاہے تو اُسے چاہیئے کہ اسلام پر روئے) بلکہ محدثین کو ارباب ظواہر کہہ کر ان کی سخت توہین کی ہے، کیا یہ وہی اصول نہیں ہے جو اہل طریقت، اہل شریعت کے مقابلہ میں پیش کر کے شریعت کو پامال کرتے ہیں۔ قارئین کرام ملاحظہ فرمائیں کہ یہ ذہن پرستی کس کس طریقے سے اپنے زہریلے اثرات کو لوگوں کے قلوب میں داخل کرتی چلی جاتی ہے، پہلے حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت انسؓ جیسے جلیل القدر صحابۂ کرام کو غیر فقیہ بنا کر ان کی توہین کی اور اب محدثین اور ائمہ جرح وتعدیل کو ظاہری کہہ کر ان ائمۂ دین کی تضحیک کی۔ افسوس ہے یہ سب کچھ ان لوگوں کے قلم اور زبان سے ہو رہا ہے جو اپنے کو مسلم سمجھتے ہیں اور فقہاء اسلام کے نام سے معروف ہیں۔ کیا اسی کا نام اسلام ہے؟

ذہن پرستی کا مزید نظارہ کرنا ہو تو امام فخرالدین رازی کے شیخ کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے۔ فرماتے ہیں۔

قد شاهدت جماعة من مقلدة الفقهاء قرأت عليهم ايات كثيرة من كتاب الله تعالىٰ في بعض المسائل وكانت مذاهبهم بخلاف تلك الآيات فلم يقبلوا	میں نے مقلد فقہاء کی ایک جماعت کا مشاہدہ کیا۔ میں نے بعض مسائل کے سلسلے میں ان کو قرآن مجید کی بہت سی آیتیں پڑھ کر سنائیں، ان کے مذاہب ان آیات کے خلاف تھے، ان لوگوں نے ان آیات کو

تلك الآیات ولم یلتفتوا الیھا	قبول نہیں کیا بلکہ ان کی طرف کوئی توجہ
وبقوا ینظرون الی کالمتحجب	نہیں کی اور تعجب اور حیرانی سے میری
یعنی کیف یمکن العمل بظواھر	طرف دیکھتے رہے، جس کا مطلب (ان
ھذہِ الاٰیات مع ان الروایۃ	کے نزدیک) یہ تھا کہ ان آیات کے
عن سلفنا وردت علٰے خلافھا	ظاہری معنوں پر کیسے عمل کیا جاسکتا ہے
(تفسیر کبیر جلد ۴ ص۴۳۶ تفسیر	حالانکہ ہمارے سلف کا قول ان کے
سورۃ التوبۃ فی تفسیر الاٰیۃ	خلاف واقع ہوا ہے۔

"اتخذوا احبارھم ورھبانھم)

علامہ عبدالرحمٰن المعروف بہ ابوشامہ دمشقی ذہن پرستی کا نقشہ کھینچتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :۔

"تقلید کی پرستش کا چرچا اس زور وشور سے ہوچکا ہے اور تقلید پرست اس قدر ضدی واقع ہوئے ہیں کہ اپنے اماموں کے فتووں اور فقہی روایتوں کو صحیح ثابت کرنے کے لئے قرآن وحدیث کے قطعی دلائل کو غیر معقول اور لچر تاویلوں سے رد کرنے کی زور وشور سے کوشش کرنے لگ جاتے ہیں" (نتائج التقلید مصنفہ محمد اشرف سندھو بلوکی ص۶۶ بحوالہ التحقیق المکمل ص۱۸ فی ترجمۃ المؤمل مطبوعہ 'نامی پریس' دہلی)

اسی ذہن پرستی کا نقشہ کھینچتے ہوئے شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں :۔

وفی الحقیقت اگر مقلدین مذہب تفحص	اور درحقیقت اگر مقلدین مذہب غور
کنندمی یابند کہ ایں بلائے تقلید	کریں تو انہیں معلوم ہوگا کہ تقلید کی اس

ایشاں را بحدے کشیدہ کہ قول ہر یکے از احاد فقہاء در مقابل حدیث می آرند و ترجیح می دہند و ایں ازاں قبیل است کہ علماء را بہ پیغمبری رسانیدہ شود بلکہ بخدائے۔ (فتاوی عزیزی ج اول ص۱۷۶)

بلار نے انہیں اس حد تک پہنچا دیا ہے کہ وہ ہر فقیہ کے قول کو حدیث کے مقابلہ میں پیش کرتے ہیں اور فقیہ کے قول کو حدیث پر ترجیح دیتے ہیں گویا کہ انہوں نے علماء کو پیغمبری کے درجہ پر پہنچا دیا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے درجہ پر۔

علامہ عزالدین بن عبدالسلام ذہن پرستی کی تصویر کشی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

فان احدھم یتبع امامہٗ مع بعد مذھبہ عن الادلۃ مقلداً لہٗ فیما قال فکأنہٗ نبی أرسل الیہ وھذا نأی عن الحق وبعد عن الصواب لا یرضی بہ احد من اولی الالباب۔

متعصب مقلد اپنے امام کی پیروی کرتا ہے باوجود اس کے کہ اس کے امام کا مذہب دلائل سے بہت دور ہوتا ہے، گویا کہ وہ امام نبی ہے جو اس کی طرف بھیجا گیا ہے یہ چیز حق و صواب سے بہت دور ہے، اسے کوئی اہل عقل پسند نہیں کریگا۔ (عقد الجید مصنفہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص۲۸)

اسی ذہن پرستی کا شکوہ کرتے ہوئے الشیخ عزالدین بن عبدالسلام فرماتے ہیں۔

ومن العجب العجیب ان الفقہاء

نہایت تعجب کی بات ہے کہ فقہائے

المقلدين يقف احدهم على ضعف مأخذ امامه بحيث لايجد لضعفه مدفعا وهو مع ذلك يقلده فيه ويترك من شهد الكتاب والسنة والاقيسة الصحيحة لمذهبهم جوداً على تقليد امامه بل يتحيّل لدفع ظاهر الكتاب والسنة ويتأولها بالتأويلات البعيدة الباطلة نضالاً عن مقلّده (حجة الله البالغة مصری ملتزم الطبع والنشر دار الکتب الحدیثیة بالقاهرة جلد اوّل ص ۳۲۷)	مقلدین میں سے ہر ایک کو اپنے امام کی دلیل کی کمزوری کا علم ہوتا ہے اور اس کمزوری کو دور کرنے والا کوئی ذریعہ نہیں ہوتا، تاہم وہ اپنے امام کی تقلید پر جما رہتا ہے اور اس شخص کی بات کو مسترد کر دیتا ہے جس کی بات قرآن و حدیث اور قیاس صحیح سے ثابت ہوتی ہے۔ وہ تقلید جامد پر اصرار کرتا ہے اور کتاب وسنّت کے واضح دلائل کو ردّ کرنے کے حیلے تلاش کرتا ہے اور بعید اور باطل تاویلیں کر کے اپنے امام کی حمایت کرتا ہے۔

شیخ عزالدین کی مندرجہ بالا عبارت میں قیاس صحیح سے مراد وہ قیاس ہے جو آیت یا حدیث کی روح کے عین مطابق ہو مثلاً قرآن مجید میں بوڑھے ماں باپ کے سامنے اُف کرنا بھی منع ہے تو قیاس صحیح یہ ہے کہ ان کو مارنا بدرجہ اولیٰ منع ہے۔ اصل میں یہ قیاس قیاس ہی نہیں بلکہ مقتضائے قرآن مجید ہے۔

ذہن پرستی کا نقشہ کھینچتے ہوئے شاہ ولی اللہ صاحب محدّث دہلوی کیا خوب فرماتے ہیں:-

اگر نمونۂ یہود خواہی بینی علماء سوء کہ
طالب دنیا باشند و خوگرفتۂ تقلید
سلف و معرض از کتاب و سنّت و تعمق
و تشدد و باستحسان عالمے را مستند
ساختہ، از کلام شارع معصوم بے
پرواہ شدہ باشند و احادیث
موضوعہ و تالیفات فاسدہ را مقتدائے
خود ساختہ باشند، تماشا کن کانہم
ھم (فوز الکبیر باب اوّل فصل اول)

اگر یہودیوں کا نمونہ دیکھنا چاہتے ہو تو
"علماء سوء" (کو دیکھ لو) جو دنیا کے طالب،
سلف کی تقلید کے خوگر، کتاب و سنّت
سے روگردانی کرنے والے، کسی ایک عالم
کے استحسان پر تعمق و تشدد کو مستند
سمجھنے والے، شارع معصوم (صلی اللہ
علیہ وسلم) کی احادیث سے بے نیاز
اور گھڑی ہوئی احادیث اور بگاڑ پیدا
کرنے والی کتابوں کو پیشوا بنانے والے
ہیں، ان کا نظارہ کرو گویا کہ یہ وہی ہیں۔

مولوی عبدالحیٔ صاحب حنفی لکھنوی ذہن پرستی کا گلہ و شکوہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

قد تعصبوا فی الحنفیۃ تعصبا
شدیدًا والتزموا بما فی الفتاوٰی
التزامًا شدیدًا وان وجدوا
حدیثًا صحیحًا او اثرًا صریحًا
علی خلافه وزعموا انه لو کان
هذا الحدیث صحیحا لاخذ
صاحب المذهب ولم یحکم
بخلافه وهذا جهل منهم۔

حنفیہ کی ایک جماعت سخت تعصب میں
مبتلاء ہے اور کتب فتاوٰی میں جو مسائل
لکھے ہوئے ہیں ان پر سختی سے کاربند ہے
اور اگر ان لوگوں کو کوئی صحیح حدیث یا
صریح اثر مل جاتا ہے جو ان کے مذہب
کے خلاف ہو تو وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر یہ حدیث
صحیح ہوتی تو امام صاحب ضرور اس کے
مطابق فتوٰی دیتے اور اس کے خلاف

(النافع الکبیر ص۱۳۵) کوئی فیصلہ نہ کرنے اور یہ ان کی جہالت ہے۔

اشرف علی تھانوی صاحب باوجود ذہن پرستی کے اعتراف کرتے ہیں کہ:۔
"بعض مقلدین نے اپنے ائمہ کو معصوم عن الخطاء و مصیب وجوباً و مفروض الاطاعت تصور کر کے عزم بالجزم کیا کہ خواہ کیسی ہی حدیث صحیح، مخالف قول امام کے ہو اور مستند قول امام کا بجز قیاس کے امر دیگر نہ ہو پھر بھی بہت سے علل وخلل حدیث میں پیدا کر کے یا اس کی تاویل بعید کر کے حدیث کو رد کر دیں گے اور قولِ امام کو نہ چھوڑیں گے" (فتاویٰ امدادیہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی جلد۴ ص۹۰)
الغرض ذہن پرستی اور اس کے برے نتائج اس قدر عام ہو گئے کہ غیر تو غیر خود اپنے ہی چیخ اٹھے اور گلے وشکوے کرنے لگے، اشرف علی صاحب کی تحریر کا مندرجہ بالا اقتباس اس پر کھلی دلیل ہے۔
جب یہ ذہن پرستی اپنے حدِ کمال کو پہنچ گئی تو حدیث کے انکار کے لئے راہ ہموار ہو گئی گویا اس طرح وہ کانٹا ہی دور ہو گیا جو مذہب کی حمایت و مدافعت اور اس پر جمود کی راہ میں کھٹک رہا تھا۔ مولوی حسین احمد مدنی حنفی لکھتے ہیں:۔
"احادیث خواہ قدسیہ ہوں یا غیر قدسیہ، ان کے نقل کرنے والے اتنے کثیر نفوس نہیں، اس لئے ان میں جھوٹ یا غلطی کا احتمال ہوتا ہے اس لئے قطعی الثبوت نہ ہوں گی اور ان کا منکر کافر نہ ہو گا" (مکتوبات مولوی حسین احمد مدنی جلد اول ص۱۰، مکتوب ۳۸)

مندرجہ بالا عبارت میں "اتنے کثیر نفوس" کے الفاظ جو تواتر کے مترادف ہیں اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اگر کسی حدیث کو روایت کرنے والے بڑی

کثیر تعداد میں ہوں تو وہ صحیح ہوگی اور اگر اتنی کثیر تعداد میں نہ ہوں تو وہ جھوٹی ہو سکتی ہے، سمجھ میں نہیں آتا کہ دو چار یا دس بارہ ثقہ راویوں کی روایت میں جھوٹ کہاں سے آجائے گا اور اگر ان کی روایت میں جھوٹ یا غلط بیانی کا احتمال ہے تو وہ راوی ثقہ کیسے ہوں گے۔ ثقہ راوی صادق بھی ہوتا ہے، عادل بھی ہوتا ہے، ضابط و حافظ بھی ہوتا ہے، اس کے حافظہ میں کوئی خرابی نہیں ہوتی پھر بھی ایسے متعدد راوی مل کر کسی حدیث کو بیان کریں تو کیونکہ وہ متواتر نہیں ہوگی لہٰذا بقول حسین احمد مدنی صاحب اس کے جھوٹی ہونے کا احتمال ہے۔
عجیب و غریب بات ہے جو کہی گئی ہے۔ جب راوی کوئی جھوٹا نہیں تو سمجھ میں نہیں آتا کہ جھوٹ کہاں سے آگیا بلکہ جھوٹ تو کجا غلطی کا امکان بھی نہیں ہے اس لئے کہ متعدد ثقہ راوی کسی غلطی پر متفق نہیں ہو سکتے بلکہ دو ثقہ راوی بھی غلطی پر متفق نہیں ہو سکتے حتیٰ کہ اگر دو بد حافظہ صادق راوی بھی یکساں روایت کریں تو غلطی کو ان کی طرف منسوب کرنا قرینِ قیاس نہیں۔

مندرجہ بالا مضمون میں قارئین کرام نے اصول ذہن سازی بھی ملاحظہ فرمائے اور پھر ان اصولوں کی بنیاد پر جو ذہن پرستی پیدا ہوئی اس کا بھی نظارہ کیا، پھر اس ذہن پرستی نے کس کس طرح حق کو پامال کیا اور باطل کو پروان چڑھایا اس کی کیفیت بھی دیکھی۔

فرقہ وارانہ مذاہب کی دنیا میں ذہن سازی اور ذہن پرستی نے کیا کیا گل کھلائے وہ مندرجہ بالا اقتباسات سے ظاہر ہے۔

تصوّف۔ ذہن سازی اور ذہن پرستی

فرقہ واریت کے ضمن میں جو کچھ ہوتا رہا تقریباً یہی یا اس سے بھی کچھ زیادہ تصوّف کے ضمن میں ہوتا رہا۔ تصوف اور پیری مریدی خالصًا ایک غیر اسلامی چیز تھی لیکن اس کو کس طرح اسلام کی روح بنایا گیا یہ ایک رُلا دینے والی حقیقت ہے۔

صوفی کا ذہن ایک خاص سانچہ میں ڈھلا۔ یہ ذہن جب شریعت یعنی قرآن وحدیث سے ٹکرایا تو بجائے اس کے کہ تصوّف کے اصول کو ترک کر دیا جاتا، شریعت کو ترک کر دیا گیا، لیکن کیونکہ شریعت کو ردّ کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا اس لئے طریقت حقیقت اور معرفت کی اصطلاحیں وضع کی گئیں اور اپنے زعمِ باطل میں ان منازل کو شریعت سے بلند و بالا مقام و مرتبہ دیا گیا، ان منازل کو طے کرنے والوں کے لئے شریعت کی پیروی ضروری نہیں سمجھی گئی، ان کو شریعت کی اتباع سے بالاتر و مستثنیٰ قرار دیا گیا۔ شریعت پر عمل کرنے والوں کی یہ کہہ کر تحقیر کی جانے لگی کہ یہ لوگ ظاہر پرست ہیں، ظاہر پرست ملاّ تصوّف کے منازل کو کیا سمجھے، جو عمل ظاہر پرست ملاّ کو شریعت کے خلاف نظر آتا ہے وہ درحقیقت اس کے علم اور اس کی فہم کا قصور ہے، باطن میں وہ شریعت کے مطابق ہی ہوتا ہے لیکن ظاہر پرست عالم کی نگاہ اس مقام تک پہنچنے سے قاصر ہوتی ہے جس مقام پر پہنچ کر بظاہر خلافِ شرع کام بھی شرع کے موافق نظر آنے لگتا ہے، ان باطن پرست صوفیوں کی تائید میں حافظ شیرازی لکھتے ہیں :۔

بہ مے سجّادہ رنگیں کن گرت پیرِ مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نبود زراہ و رسمِ منزلہا۔
(دیوانِ حافظ)

اگر پیر کہتا ہے کہ اپنے مصلّے کو شراب سے رنگ لو تو رنگ لینا چاہیئے اس لئے کہ پیر منزل کی راہ و رسم سے بے خبر نہیں ہوتا (یعنی جو کچھ وہ کہتا ہے حق ہوتا ہے)

یہی وہ شعر ہے جو اکثر تصوف کے پرستاروں کی زبان سے ادا ہوتا ہے۔ یہ لوگ اس قدر ذہن پرستی کا شکار ہوتے ہیں کہ اگر ان کا پیر پنج وقتہ نماز ادا نہیں کرتا تو یہ کہہ کر دوسروں کا منہ بند کرتے ہیں کہ پیر صاحب یہاں نماز نہیں پڑھتے بلکہ کعبہ میں جاکر نماز ادا کرتے ہیں۔

مولوی عبدالرزاق صاحب ملیح آبادی ندوی لکھتے ہیں "مدعیانِ تصوّف کے ہاں جاؤ نمایاں طور پر یہ چیز دیکھ لوگے، یہ لوگ عشقِ خدا و رسولؐ کے دعوے کے ساتھ رسولؐ کی لائی ہوئی ہدایت سے سخت بیزار رہتے ہیں۔ شریعت کا نام تک سننا گوارا نہیں کرتے، اس کی پیروی اپنے لئے ضروری نہیں سمجھتے پھر بے باک اس قدر ہیں کہ اپنے بغض کا صاف اقرار بھی کرتے ہیں مگر اس پر طریقت کا روغن مل کر" (مقدمہ تفسیر سورۂ کوثر مصنفہ امام ابن تیمیہ ص ۱۵)

غرض یہ کہ اہلِ تصوّف نے اپنے ذہن میں جو نظریہ قائم کرلیا ہے اس کے خلاف نہ کچھ سننا پسند کرتے ہیں اور نہ سن کر حق کی طرف مائل ہونا چاہتے ہیں۔

انکارِ حدیث یا پرویزیت۔ ذہن پرستی کی ریشہ دوانیاں

اوپر ہم تقلیدی ذہن کے متعلق بہت کچھ عرض کر چکے ہیں۔ تقلیدی ذہن نے حدیث کو ردّ کرنے کے لئے کیا کیا جتن کئے، کیسے کیسے اصول وضع کئے، یہ سب

کچھ آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ ان اصولوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ حدیث کی اہمیت باقی نہیں رہی فنِ حدیث کی رہی سہی اہمیت کو یہ کہہ کر ختم کیا گیا کہ محدثین آخر انسان تھے، حدیث کی جانچ پڑتال میں انہیں غلطی سے مبرا کیسے کیا جا سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ جس حدیث کو انہوں نے صحیح کہا ہو وہ ضعیف ہو اور جس حدیث کو انہوں نے ضعیف کہا ہو وہ صحیح ہو۔ حدیث کی تصحیح و قبولیت کے لئے صحتِ سند کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ اسی قسم کی ذہن سازی کرتے ہوئے مودودی صاحب رقمطراز ہیں :۔

"جس شخص کو اللہ تعالےٰ تفقہ کی نعمت سے سرفراز فرماتا ہے اس کے اندر قرآن اور سیرتِ رسولؐ کے غائر مطالعہ سے ایک خاص ذوق پیدا ہو جاتا ہے جس کی کیفیت بالکل ایسی ہے جیسے ایک پرانے جوہری کی بصیرت کہ وہ جواہر کی نازک سے نازک خصوصیات کو پرکھ سکتی ہے۔" (تفہیمات حصہ اول ص ۲۹۱)

مودودی صاحب مزید فرماتے ہیں :۔

"جو شخص اسلام کے مزاج کو سمجھتا ہے اور جس نے کثرت کے ساتھ کتاب اللہ و سنت رسولؐ اللہ کا گہرا مطالعہ کیا ہوتا ہے وہ نبی اکرمؐ کا ایسا مزاج شناس ہو جاتا ہے کہ روایات کو دیکھ کر خود بخود اس کی بصیرت اُسے بتا دیتی ہے کہ ان میں سے کونسا قول یا کونسا فعل میرے سرکار کا ہو سکتا ہے اور کونسی چیز سنّت نبوی سے اقرب ہے۔" (تفہیمات حصّہ اول ص ۲۹۱)

مودودی صاحب آگے چل کر لکھتے ہیں :۔

" وہ اسناد سے مدد تو ضرور لیتا ہے مگر اس کے فیصلہ کا مدار اس پر نہیں ہوتا۔ وہ بسا اوقات ایک غریب، ضعیف، منقطع السند، مطعون فیہ حدیث

کو بھی لے لیتا ہے، اس لئے کہ اس کی نظر اس افتادہ پتھر کے اندر ہیرے کی جوت کو دیکھ لیتی ہے اور بسا اوقات وہ ایک غیر معلل، غیر شاذ، متصل السند، مقبول حدیث سے بھی اعراض کر جاتا ہے اس لئے کہ اس جام زریں میں جو بادۂ معنی بھری ہوتی ہے وہ اُسے طبیعتِ اسلام اور مزاجِ نبوی کے مناسب نظر نہیں آتی۔" (تفہیمات حصہ اوّل ص۲۹۲)

ذوق اور مزاج شناسئ رسول کا یہ اصول کتنا مضحکہ خیز ہے اس کا اندازہ قارئین خود لگا سکتے ہیں، اسلام میں ایسے کتنے صاحبِ ذوق اور مزاج شناس رسول ؐ پیدا ہوئے؟ کوئی اور ہو یا نہ ہو ائمہ اربعہ تو ضرور بقول ان کے صاحبِ ذوق اور مزاج شناسِ رسول ؐ ہوں گے، اور جو اشخاص مزاج شناسِ رسول ہوں گے وہ ضرور ہر معاملہ میں، ہر مسئلہ میں، ہر حدیث کی تصحیح و تضعیف اور قبولیت میں متفق و متحد ہوں گے، ایسا نہیں ہو سکتا کہ چاروں امام مزاج شناسِ رسول ؐ ہوں پھر بھی مختلف الرائے ہوں، لیکن وائے افسوس کہ یہ چاروں امام اِن تمام باتوں میں متحد و متفق نہیں، آپس میں عظیم الشان اختلاف ہے اور جب اختلاف کا یہ حال ہو تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ چاروں یا ان میں سے کم از کم تین امام مزاج شناس رسول ؐ نہیں تھے، حتیٰ کہ اگر ہم اور اوپر جائیں تو ہمیں یہ نظر آتا ہے کہ صحابۂ کرام میں بھی اختلاف ہو جایا کرتا تھا اور کیونکہ اختلاف صاحبِ ذوق اور مزاج شناسِ رسول ہونے کو مانع ہے لہذا صحابہؓ کرام بھی بے ذوق تھے اور مزاج شناس رسول ؐ نہیں تھے۔ اب بتلایئے کہ ہم صاحبِ ذوق اور مزاجِ شناس رسول ؐ کہاں سے لائیں۔ اسلامی تاریخ میں تو ڈھونڈے سے نہیں ملیں گے۔

اس من گھڑت اصول نے جہاں اہلِ تقلید اور مذہب پرستوں کے لئے دفاع کا سامان فراہم کیا وہیں انکارِ حدیث کے لئے بھی راہ ہموار کر دی۔ حدیث کی اہمیت اور فنِ حدیث کے متعلق شکوک و شبہات پیدا ہونے لگے بالآخر نوبت انکارِ حدیث تک پہنچی۔ حدیث کا انکار کیا گیا اور جب یہ نظریہ ذہن میں سما گیا کہ اب حدیث کو ماننا ہی نہیں تو اس نظریہ کے دفاع کے لئے اسلحہ بھی تیار کیا گیا۔ آگے چل کر حدیث پر جارحانہ حملے شروع ہو گئے، طرح طرح کے اعتراض ہونے لگے، کبھی حدیث کو عجمی سازش کہا گیا، کبھی یہ کہا گیا کہ

"جس کے جی میں آیا عربی کا ایک فقرہ گھڑا، اس کے پہلے حدثنا زید عن عمر عن بکر قال قال رسول اللہ کے الفاظ بڑھا لئے، لیجئے یہ عربی فقرہ مذہب کی سند (یعنی حدیث رسول اللہ) بن گیا" (اسباب زوال امت مصنفہ پرویز ص۳۷ طبع دوم شائع کردہ ادارہ طلوع اسلام)

کبھی یہ کہا گیا:۔

"نہ تو رسول اللہ ؐ نے اپنی احادیث کا کوئی مجموعہ امت کو دیا اور نہ ہی صحابہ کبار ؓ نے کوئی ایسا مجموعہ مرتب فرمایا" (اسباب زوال امت ص۴۷)

کبھی کسی حدیث کے متعلق یہ کہا گیا کہ یہ حدیث قرآن مجید کے خلاف ہے حالانکہ وہ قرآن مجید کے خلاف نہیں ہوتی بلکہ ان کے خود ساختہ معنوں کے خلاف ہوتی ہے۔

غرض یہ کہ مختلف قسم کے اعتراضات کئے گئے، جب ان اعتراضات کے دندان شکن جوابات دئے گئے تو ذہن سازی کا شاہکار اصول وضع کیا گیا یعنی حدیث حجتِ شرعیہ ہی نہیں لہذا اگر کوئی حدیث ثابت بھی ہو جائے

تو اس کی کوئی دینی اہمیت حاصل نہیں ہوگی۔ لیجئے اس اصول نے سارے قصے ہی ختم کر دیے، حدیث کو ثابت کرنا، اس کی تصحیح و تضعیف اور فنِ حدیث یہ تمام کے تمام کام لغو ہو کر رہ گئے، جب ان سے کوئی فائدہ ہی نہیں تو ان میں وقت ضائع کرنے سے کیا فائدہ؟

لیکن حجیت حدیث کے انکار سے ایک اور مشکل سامنے آئی وہ یہ کہ صحابہ کرام حدیث پر عمل کرتے تھے۔ لہٰذا جب ان کے لئے حدیث حجت تھی تو بعد والوں کے لئے حجت کیوں نہیں؟ اس گرفت کا جواب دیتے ہوئے انکارِ حدیث کا سربراہ پرویز لکھتا ہے:۔

"دین کی اصل سند قرآن تھا، اس لئے اسے یقینی طور پر محفوظ رکھا گیا، باقی چیزیں وقتی طور پر نافذ العمل رہنے کے لئے تھیں اس لئے انہیں محفوظ رکھنے کی ضرورت نہ تھی۔" (اسباب زوال امت ص۱۵۵)

لیجئے اس اصول نے ان لوگوں کو گرفت سے نجات دے دی، اب وہ یہ کہہ دیتے ہیں کہ صحابہ نے وقتی طور پر عمل کیا تھا، اگر وہ اس کو ہمیشہ نافذ العمل سمجھتے تو اس کی بھی حفاظت کرتے، کیونکہ انہوں نے اس کی حفاظت نہیں کی لہٰذا دین کی سند صرف قرآن مجید رہ گیا۔

الغرض حدیث سے کلیۃً چھٹکارا مل گیا۔ حدیث کو نہ ماننے کا نظریہ قائم کر لیا تھا اسے بہر صورت نباہنے کے لئے وہ اصول بھی بنا لیا گیا جس کے بعد حدیث کی اہمیت باقی رہنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، لیکن اس مرحلہ پر پہنچنے کے بعد بھی ایک مشکل حل نہیں ہوئی وہ یہ کہ قرآن مجید سے فرامین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سنت نبوی کو ماننے اور ان کی پیروی

کرنے کی ہدایت ملتی ہے تو اس مشکل کو حل کرنے کے لئے ایک اور دفاعی ہتھیار وضع کیا گیا، وہ یہ کہ رسول کے معنی مرکزِ ملت یعنی حکمراں کے ہیں۔ مرکزِ ملت ہی اپنے زمانہ کا رسول ہے۔ وقتی طور پر اس کی تشریح، قرآن مجید کا اصل منشاء سمجھی جلئے گی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تک مرکزِ ملت یا حکمراں رہے ان کی اطاعت و تشریح لازمی تھی لیکن جب آپ کا انتقال ہو گیا تو یہ خصوصیت آنے والے حکمراں کو منتقل ہو گئی یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی اطاعت وقتی تھی، دائمی نہیں تھی۔

اس اصول کا نتیجہ بالکل ظاہر ہے۔ مرکزِ ملت یعنی حکمراں بدلتے رہیں گے، قرآن مجید کی مختلف توجیہیں ہوتی رہیں گی اور وہ سب اپنے اپنے وقت پر صحیح قرآنی تعبیریں سمجھی جائیں گی، گویا قرآن مجید کا کوئی قانون ایسا اٹل نہیں کہ ہر مرکزِ ملت کے زمانہ میں وہ یکساں مفہوم اور یکساں طریقہ پر قائم رہے یعنی قرآن مجید کی تعبیر اس مصراع کا مصداق ہو گی۔

شد پریشاں خواب من از کثرتِ تعبیرہا

مرکزِ ملت کی اصطلاح کو قرآن مجید کے مفہوم کے سلسلہ میں کافی سمجھ لیا گیا، جہاں قرآن مجید کا مفہوم سمجھ میں نہیں آیا یا قرآن مجید کا کوئی حکم بظاہر ممکن العمل نظر نہ آیا تو بس مرکزِ ملت کا ہتھیار دکھا کر معترض کو خاموش کر دیا۔ مطلب یہ کہ ذہن پرستی کی خاطر جو کچھ کر سکتے تھے کیا، لیکن ذہن نہیں بدلا۔

اجرائے نبوّت یا قادیانیت ۔ ذہن پرستی کی فتنہ سامانیاں

ذہن پرستی کے سلسلہ میں ان لوگوں کا حال بھی دوسروں سے مختلف نہیں جنہوں نے نبوّت کا دروازہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی بعثت کے بعد بند ہوگیا تھا پھر کھول دیا ۔ نبی بننے یا بنانے کی جب ٹھان ہی لی تو ہر مخالف دلیل کا جواب تیار کیا گیا ۔ جب خاتم النبیین کی آیت کی طرف توجہ دلائی گئی تو خاتم کے معنیٰ مہر کر دیئے اور جب اس سے مشکل حل ہوتی نظر نہ آئی تو خاتم کے معنیٰ " افضل " کر دیئے ۔

جب حدیث " لا نبی بعدی " پیش کی گئی تو " بعدی " کے ایسے معنیٰ کر دیئے کہ عقل حیران رہ گئی ۔ ماہرین لغت اور اہل زبان منہ دیکھتے رہ گئے ۔ " بعدی " کے معنیٰ بدل کر خود ساختہ معنیٰ کر دیئے یعنی " میرے بعد " کے بجائے " مجھے چھوڑ کر " پھر حدیث کی تشریح اس طرح کی گئی کہ " اب کوئی شخص مجھے چھوڑ کر نبی نہیں بن سکتا ۔ " عجیب قسم کا مفہوم ہے جو الفاظِ حدیث کو پہنایا گیا ہے ۔ یہ ایسا مفہوم ہے کہ دین ، عقل اور ادب تینوں اس کی صحت کے منکر ہیں لیکن ذہن میں جو چیز پیوست ہو گئی تھی وہ کیسے نکل سکتی تھی ، خود نہ مڑے ، حق کو موڑ کر اپنے تابع کر لیا ۔

تمام انبیاء علیہم السلام میں سے ایک بھی ایسا نہیں جس نے کسی گذشتہ نبی کو نہ مانا ہو یا اس کے خلاف رہا ہو یا اس کی پیروی سے انکار کیا ہو یا اس سے لاتعلقی کا اظہار کیا ہو حتیٰ کہ سب سے زیادہ عظیم الشان رسول اور اللہ تعالےٰ کے آخری نبی ، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم بھی تمام انبیاء علیہم السلام

کو مانتے رہے۔ قرآن مجید کی آیات اس پر شاہد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بار بار تاکید کی کہ ملتِ ابراہیمی کا اتباع کریں بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام کی ہدایت کی پیروی کریں۔ ارشاد باری ہے:

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ۖ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ (انعام ـ ۹۰) — یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی تھی تو (اے رسولؐ) آپ بھی ان کی ہدایت کی پیروی کرتے رہیئے۔

قرآن مجید کی آیاتِ بینات کی روشنی میں یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ بالفرض محال اگر کوئی نبی آتا تو وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ مانتا، آپ کی لائی ہوئی ہدایت کی پیروی نہ کرتا، جب ہر نبی اپنے پیشرو کو مانتا اور اس کی لائی ہوئی ہدایت کی پیروی کرتا ہے تو پھر حدیث مذکور میں "بعدی" کے معنی "مجھے چھوڑ کر" کرنا سراسر لغو اور باطل ہے لیکن وائے ذہن پرستی یہ اسی کا کرشمہ ہے کہ طرح طرح کے حیلے سکھاتی ہے خواہ وہ حیلے عقل کے مطابق ہوں یا سراسر بے عقلی کا پلندا۔ جب "بعدی" کے معنی "مجھے چھوڑ کر" کیے تو پھر اس کو نباہنے کے لئے ان کو نبوت کی بھی تین قسمیں کرنی پڑیں۔ دو کو مسدود مانا اور ایک کو جاری۔ لیکن جب اُن سے کہا گیا کہ نبوّت کی جتنی قسمیں بھی آپ کر لیں ان میں سے جاری کوئی بھی نہیں ہوگی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَمْ يَبْقَ مِنَ النُّبُوَّةِ إِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ (صحیح بخاری وغیرہ) — نبوّت میں سے کچھ باقی نہیں رہا سوائے مبشرات کے۔

تو جواب دیا گیا کہ یہ "مبشرات" والی نبوّت ہی ہے جس کے ہم مدّعی ہیں۔ پھر

جب ان سے کہا گیا کہ "مبشرات" کی تشریح تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "نیک خواب" سے کی ہے (صحیح بخاری) اور نیک خواب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کے ۴۶ اجزاء میں سے ایک جزء بتایا ہے (صحیح بخاری) تو کیا جس نبوت کے آپ مدعی ہیں وہ نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے، جواب ملا "ہاں" جب ان سے کہا گیا کہ "کیا جزء کو کل کہہ سکتے ہیں؟" تو لاجواب ہو کر یہ جواب دیا کہ:

"بات صرف اتنی ہے کہ جس کو آپ صاحبِ کشف ولی کہتے ہیں، ہم اسے نبی کہتے ہیں۔" (ملفوظاتِ اللہ دتا مبلغ قادیانی آنجہانی)

مرزا غلام نے بھی یہی کہا ہے۔

"خاتم النبیین ہونا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی دوسرے نبی کے آنے سے مانع ہے۔ ہاں ایسا نبی جو مشکوٰۃ محمدیہ سے نور حاصل کرتا ہے اور نبوت تامہ نہیں رکھتا، جس کو دوسرے لفظوں میں محدث بھی کہتے ہیں اس تحدید سے باہر ہے۔" (ازالہ اوہام ص ۲۳۸)

مرزا غلام کی مذکورہ بالا تحریر علی اعلان پکار رہی ہے کہ "خاتم النبیین" دوسرے نبی کے آنے سے مانع ہے یعنی کسی قسم کا نبی نہیں آسکتا لیکن ذرا آگے چل کر اپنے نظریہ کو نباہنے کے لئے لکھتے ہیں کہ ایسا نبی آسکتا ہے جو "نبوت تامہ"، یعنی کامل نبوت نہیں رکھتا۔ پہلے لکھتے ہیں کہ دوسرا نبی نہیں آسکتا، پھر لکھتے ہیں کہ ایک خاص قسم کا نبی آسکتا ہے، کیا یہ ذہن پرستی نہیں؟ خاتم النبیین سے کسی خاص قسم کے نبی کو مستثنیٰ کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی سوائے نظریہ پرستی کے۔

مرزا غلام نے جس قسم کے نبی کے آنے کا دعویٰ کیا وہ ایسا نبی ہے کہ نبوّت تامّہ نہیں رکھتا، تمام خصوصیات نبوّت اس میں نہیں پائی جاتیں، اس کی نبوّت جزوی اور ناقص ہوتی ہے، وہ نبوّت کے آخری مقام تک پہنچ ہی نہیں سکتا، پہلی ہی منزل پر جاکر رک جاتا ہے، ۴۵ منزلیں اُسے ابھی چڑھنی باقی ہوتی ہیں لیکن مرزا غلام کے زعم میں پھر بھی وہ نبی ہے۔ معلوم نہیں یہ ناقص نبی کیسا نبی ہے؟ کیا نبی بھی ناقص ہوتا ہے؟

اگر قادیانی جماعت مرزا غلام کو اور خود مرزا غلام اپنے کو محدّث کہہ لیتے جیساکہ اوپر کے اقتباس میں درج ہے تو دوسرے ملحدین کی طرح یہ بھی کھپ جاتے، لیکن نہ جانے یہ اصطلاح کیوں بدلی گئی۔ محدّث یا صاحبِ کشف ولی کو نبی کہہ دینا مسلمہ اصطلاح کو بدلنا نہیں تو اور کیا ہے؟

قارئین کرام! آپ نے دیکھا کس کس طریقہ سے ذہن پرستی کی جا رہی ہے۔ اپنے ذہنی نظریہ کی خاطر نصوص صریحہ کو کس طرح توڑا مروڑا جا رہا ہے۔ کیا ایسی ذہن پرستی کے بعد بھی یہ امید کی جا سکتی ہے کہ ان میں سے کوئی شخص کسی وقت بھی حق کو قبول کرنے کے لئے آمادہ ہوگا الا ماشاء اللہ۔

جب آدمی کسی بات پر جمے رہنے کا ارادہ کر لیتا ہے تو پھر مشکل ہی سے اُسے چھوڑتا ہے خواہ کیسی ہی مضحکہ خیز باتیں اُسے ماننی پڑیں مثلاً مرزا غلام نے ایک مرتبہ اپنی یہ حالت ظاہر کی کہ:

"کشف کی حالت آپ پر اس طرح طاری ہوئی کہ گویا آپ عورت ہیں اور اللہ تعالیٰ نے رجولیت کی قوّت کا اظہار فرمایا۔" (قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ مصنفہ پروفیسر محمد الیاس برنی۔ ساتواں ایڈیشن، مطبوعہ شیخ محمد اشرف لاہور ص ۳۰)

بحوالہ ٹریکٹ ۳۴ اسلامی قربانی مصنفہ قاضی محمد یار محمد قادیانی مطبوعہ ریاض الہند پریس امرتسر و محمدیہ پاکٹ بک مصنفہ مولوی محمد عبداللہ معمار امرتسری ص ۳۶ بحوالہ ٹریکٹ ۳۴ اسلامی قربانی)۔

مرزا غلام کے دعویٰ کو پھر پڑھئے، مرزا غلام عورت بنے، اللہ تعالےٰ مرد بنا، پھر کیا ہوا الفاظ خود بتا رہے ہیں۔ کیا جس شخص کے منہ سے یہ الفاظ نکلے ہیں وہ نبی ہو سکتا ہے؟ لیکن وائے ذہن پرستی قادیانی جماعت استعارہ کہہ کر جواب سے سبکدوش ہو گئی۔

سبائیت۔ ذہن پرستی کی سازشیں

یہی حال سبائی ذہنیت کا ہوا، سبائیوں نے نظریہ بنایا کہ اکابر صحابہؓ منافق تھے۔ نظریہ بنانے کو بنا تو لیا لیکن اس کا دفاع بہت مشکل تھا لہٰذا اس کے لئے تقیہ کا دفاعی ہتھیار وضع کر لیا، اب اگر حق سامنے آیا تو تقیہ کے ہتھیار سے اُسے دفع کر دیا۔ مثلاً ان کے کسی مسلمہ امام کے قول سے کسی صحابی کی تعریف، صدق اور ایمان کو ثابت کیا گیا تو جواب ملا کہ امام نے تقیہ کی رو سے ایسا کہہ دیا ہے ورنہ حقیقتاً وہ ان کو مسلم نہیں سمجھتے تھے چہ جائیکہ تعریف کریں۔ منکرینِ حدیث کے وضع کردہ ہتھیار "مرکزِ ملّت" کی طرح "تقیہ" کے ہتھیار کو بھی ہر مرض کا علاج سمجھ لیا گیا۔ اب دندان شکن اعتراض کا اگر کوئی جواب ہو سکتا ہے تو وہ تقیہ ہی ہے، تقیہ کا لفظ منہ سے نکالا اور مخالف کے سارے دلائل کا خاتمہ کر دیا۔

ذہن پرستی کے ساتھ ذہن سازی بھی کی جاتی رہی تاکہ کوئی شخص تقیہ کے خلاف زبان نہ کھول سکے، مثلاً

قال ابو عبد اللہ التقیۃ من دین اللہ (اصول کافی مترجم بنام الشافی جلد دوم باب ۹۷۔ تقیہ صـ۲۴۲)	ابو عبداللہ نے کہا "تقیہ، اللہ کے دین سے ہے"۔
لا ایمان لمن لا تقیۃ لہ (حوالہ مذکور صـ۲۴۳)	جس شخص میں تقیہ نہیں اُس میں ایمان نہیں۔

لیجئے اب کون ہے جو تقیہ کا انکار کر سکے، اگر انکار کرتا ہے تو اپنے ایمان کی خیر منائے۔

تقیہ کیا ہے، لوگوں سے ڈر کر حق کو اور اپنے ایمان کو چھپانا۔ کیا یہ کوئی اچھی چیز ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ ان ہی کی کتاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یہ حدیث منسوب ہے کہ آپ نے فرمایا:

من طلب مرضات الناس بما یسخط اللہ عزوجل کان حامدہٗ من الناس ذامًّا و من اثر طاعۃ اللہ عزوجل بما یغضب النّاس کفاہ اللہ عزوجل عداوۃ کل عدّو (فروع کافی کتاب الجہاد جزء ۵ صـ۶۲)	جس نے اللہ عزوجل کو ناراض کرنے والے کام کے ذریعہ لوگوں کی رضا کو طلب کیا تو لوگوں میں سے جو اس کا تعریف کرنے والا تھا وہ بھی اس کو برا کہنے والا بن جائے گا اور جس نے اللہ عزوجل کی طاعت کو اس چیز پر ترجیح دی جو لوگوں کے غضب کا موجب ہو تو اللہ عزوجل ہر دشمن کی دشمنی میں اس کے لئے کافی ہو جائے گا۔

کیا جس چیز کی مذمت میں ان کی اپنی کتاب میں حدیث موجود ہو پھر بھی اس چیز کو ایمان کی شرط بنانا ایمان کی نشانی ہے؟ نہیں، لیکن قرآن و حدیث

کو اپنے نظریہ کے سامنے کون پوچھتا ہے، قرآن و حدیث کی تاویل ہو سکتی ہے لیکن اپنے نظریہ کو نہیں چھوڑا جا سکتا۔

اسی کتاب میں اگلے صفحہ پر یہ حدیث بھی لکھی ہوئی ہے۔

من ارضی سلطانا بسخط اللہ خرج عن دین الاسلام (فروع کافی کتاب الجہاد، جزء ۵ صـ۶۳)

جس نے اللہ کو ناراض کر کے حکمراں کو خوش کیا وہ دین اسلام سے نکل گیا۔

یہ دو حدیثیں آپ کے سامنے ہیں، یہ حدیثیں ایمان و اسلام کی صحیح ترجمانی کر رہی ہیں لیکن انہیں کون پوچھتا ہے۔ اب تو اسلام سے خارج کر دینے والی چیز "تقیہ" کو دین و ایمان سمجھ لیا گیا ہے۔ اصول کافی کی خود ساختہ دو حدیثیں جو اوپر تقیہ کی تعریف میں لکھی گئی ہیں ان کا فروع کافی کی مندرجہ بالا حدیثوں کے ساتھ مقابلہ کیجئے، دونوں میں بعد المشرقین ہے، پھر بھی تقیہ کا نظریہ صحیح ہے اس لئے کہ یہ ان کے مفروضہ نظریہ کے لئے دفاعی ہتھیار ہے۔

الغرض اس ذہن پرستی نے نہ صرف افتراق کا بیج بویا بلکہ خود ان کے مسلّمہ اماموں کی تحقیر بھی کی، گویا وہ ایسے ڈرپوک امام اور مصلح تھے کہ اپنی جان، مال یا آرام کی خاطر حق کو چھپاتے تھے، باطل کی اشاعت کرتے تھے، کوئی کہہ سکتا ہے کہ ایسا کر کے بھی وہ امامت اور معصومیت کے اس درجہ پر فائز رہے جس درجہ پر کہ ان لوگوں نے انہیں فائز کر رکھا ہے۔ اگر وہ حق کی اشاعت نہ کر سکے بلکہ باطل کی اشاعت کرتے رہے تو آخر ان کی امامت کا مقصد کیا تھا؟ وہ کس بات کے امام، مصلح اور مامور من اللہ تھے؟ کیا انہوں نے وہ فرائض ادا کئے جن کے لئے وہ اللہ عزوجل کی طرف سے مامور

کئے گئے تھے؟

یہ سب کچھ ہے لیکن بات وہیں رہے گی، ذہن کی خاطر حق کو تو پامال کیا جا سکتا ہے لیکن حق کی خاطر ذہن کو نہیں بدلا جا سکتا اور نہ ائمہ دین کو رسوائی سے بچایا جا سکتا ہے۔

اور تو اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ قرآن مجید کو بھی اصلی صحیفۂ آسمانی ماننے سے انکار کر دیا اس لئے کہ وہ بھی ان کی ذہن پرستی کے لئے سمِّ قاتل تھا۔ فرماتے ہیں۔

ان القرآن الذی جاء بہ جبریل الی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سبعۃ عشر الف آیۃً (ترجمہ ظفر حسن امروہوی) جو قرآن جبریل امین حضرت رسول خدا پر لے کر اترے اس میں سترہ ہزار آیتیں تھیں۔

(اصول کافی)

ترجمہ کرنے کے بعد ظفر حسن صاحب لکھتے ہیں:

"اس حدیث میں آیات کی تعداد سترہ ہزار بیان کی گئی ہے لیکن موجودہ قرآن میں آیات کی تعداد چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ[1] ہے۔"

(مندرجہ بالا عربی متن، ترجمہ و تشریح کے لئے اصول کافی مترجم بنام الشافی جلد دوم کتاب فضل القرآن باب ۱۴ النوادر ص۶۳۲ مطبوعہ آفیسٹ پریس کراچی ملاحظہ فرمائیں)۔

اسی کتاب کے ترجمہ میں ایک اور مقام پر ظفر حسن صاحب لکھتے ہیں:

"صاحب الصافی نے اس حدیث کے تحت لکھا ہے کہ حضرت کا مقصد یہ ہے کہ موجودہ قرآن میں ۶۲۳۶[2] آیتیں ہیں اور ہم اہل بیت کے قرآن میں ۱۷ ہزار

---

[1]، [2] ان دونوں کی تعدادوں میں اختلاف ہے لیکن اصل کتاب میں اسی طرح ہے، ہم نے بھی اسی طرح لکھے

آیتیں" (اصول کافی مترجم جلد ۲ کتاب فضل القرآن باب ۱۱ صفحہ ۶۱۶)

تحریف قرآن کے عقیدہ کی ایک اور واضح مثال یہ ہے کہ آیہ تطہیر جو کہ موجودہ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ ازواج مطہرات کے حق میں ہے ان لوگوں کو ازواج مطہرات کے حق میں تسلیم نہیں۔ کیونکہ ذہن پہلے سے یہ بنالیا گیا ہے کہ اس آیت کا تعلق ازواج مطہرات سے نہیں لہذا کتنی بے باکی سے یہ کہا جاتا ہے کہ یہ آیت اصل قرآن میں اس جگہ نہیں تھی۔ اس آیت کی جگہ بدل دی گئی ہے۔ یہ ہے ذہن پرستی کا شاہکار، انا للہ وانا الیہ راجعون!

اماموں کے اقوال تقیہ کی نذر ہو گئے، قرآن مجید تحریف کی نذر ہو گیا، اب کوئی دلیل لائے تو کہاں سے لائے۔ اللہ تعالیٰ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام اور ائمہ غیر مسلموں کی نظر میں مطعون ہوں تو ہوں، کوئی پرواہ نہیں۔ قرآن مجید کے ساتھ اسلام بھی کالعدم ہو جائے تو ملال نہیں، اب اسلام کی تبلیغ ہو تو کیسے؟ کیا ایسے اسلام کو کوئی قبول کرے گا جس کا ماخذ ہی موجود نہیں، مگر واسئے ذہن پرستی سب کچھ گوارا ہے، ذہن پرستی چھوڑنا گوارا نہیں۔

ذہن پرستی کی ایک اور مثال مغالطے ہی مغالطے

موجودہ دور میں بعض لوگوں نے تاریخ کے سلسلے میں ایک خاص نظریہ اختیار کیا، پھر اس نظریہ کی خاطر عجیب و غریب قسم کی بے اصولی باتیں تحریر کیں۔ مثلاً مودودی صاحب لکھتے ہیں:۔

"جو تاریخی مواد اس بحث میں پیش کیا گیا ہے وہ تاریخ اسلام کی مستند ترین کتابوں سے ماخوذ ہے" (خلافت و ملوکیت صفحہ ۲۹۲)

گویا اکابر صحابہؓ پر تنقید اس لئے جائز ہے کہ تنقید کی بنیاد مستند ترین کتبِ تاریخ ہیں، لیکن جب یہی مستند تاریخ کی کتابیں ان کی محبوب شخصیت کے متعلق ہرزہ سرائی کرتی ہیں تو ان تاریخی واقعات کو مسترد کر دیا جاتا ہے۔ مثلاً مودودی صاحب لکھتے ہیں :

"ہم نے یہ دونوں تصویریں پیش کر دی ہیں، اب ہر صاحب عقل کو خود سوچنا چاہیئے کہ ان میں سے کون سی تصویر مبلغ قرآن صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل بیت واصحاب کبار کی سیرتوں سے زیادہ مناسبت رکھتی ہے، اگر پہلی تصویر پر کسی کا دل ریجھتا ہو تو ریجھے مگر اس کے ساتھ ایک امیدواری و دعویداری کا مسئلہ ہی نہیں پورے دین و ایمان کا مسئلہ حل طلب ہو جائے گا اور اگر کوئی شخص دوسری تصویر قبول کرے تو اس میں سرے سے اس واقعہ کا کوئی وجود ہی نہیں کہ حضرت علیؓ منصب خلافت کے امیدوار یا دعویدار تھے۔"

(رسائل و مسائل حصہ اول ص۷۶)

تاریخ میں دونوں قسم کا مواد ملتا ہے، یہ بھی ملتا ہے کہ حضرت علیؓ منصب خلافت کے امیدوار اور دعویدار تھے اور یہ بھی ملتا ہے کہ حضرت علیؓ اس قسم کے تصور سے کوسوں دور تھے۔ مودودی صاحب تاریخ کی ان روایتوں کو ماننے کے لئے تیار نہیں جن سے امیدواری کا ثبوت ملتا ہے، سب مسترد کر دینی چاہئیں ورنہ دین و ایمان کا مسئلہ حل طلب ہو جائے گا، نہ دین رہے گا نہ ایمان۔ سوال یہ ہے کہ آخر جب یہ سب روایتیں تاریخ اسلام کی مستند ترین کتابوں میں ہیں تو انہیں کیوں نہ مانا جائے؟ اس کا مطلب یہ ہوا

کہ دوسروں پر تنقید کرنا ہو تو تاریخ کی یہ کتابیں مستند بن جاتی ہیں اور اپنی کسی محبوب شخصیت پر ان مستند کتب تواریخ کی روایات سے حرف آتا ہو تو وہ روایات کالعدم اور غیر مستند سمجھنی چاہئیں۔

ایک اور موقع پر مودودی صاحب لکھتے ہیں :

"جب دونوں طرح کی روایات موجود ہیں اور سند کے ساتھ بیان ہوئی ہیں تو آخر ہم ان روایات کو کیوں نہ ترجیح دیں جو ان کے مجموعی طرزِ عمل سے مناسبت رکھتی ہیں اور خواہ مخواہ وہی روایات کیوں قبول کریں جو اس کی ضد نظر آتی ہیں۔" (خلافت و ملوکیت ص ۳۴۷ و ص ۳۴۸)۔

اصول تو کسی حد تک صحیح ہے لیکن یہ اصول صرف بعض شخصیتوں کے لئے ہی کیوں مخصوص ہے؟ عام کیوں نہیں؟ بات وہی ہے کہ ذہن کو اس طور پر ڈھالا گیا ہے کہ اپنی محبوب شخصیتوں پر حرف آتا ہو تو یہ اصول استعمال کر لیا جائے ورنہ اس اصول کو ردّی کی ٹوکری میں پھینک دیا جائے۔ مثلاً مودودی صاحب حضرت عثمانؓ کے متعلق لکھتے ہیں :

"جب حضرت عثمان جانشین ہوئے تو رفتہ رفتہ وہ اس پالیسی سے ہٹتے چلے گئے، انہوں نے پے در پے اپنے رشتہ داروں کو بڑے بڑے اہم عہدے عطا کئے اور ان کے ساتھ دوسری ایسی رعایات کیں جو عام طور پر ہدفِ اعتراض بن کر رہیں۔" (خلافت و ملوکیت ص ۱۰۶)

کیا تاریخ میں حضرت عثمانؓ کی صفائی کی روایات نہیں ملتیں؟ کیا جن

لوگوں کو حضرت عثمانؓ نے گورنر بنایا وہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں گورنر نہیں تھے؟ تاریخ میں کیا یہ نہیں ملتا کہ حضرت عثمانؓ نے جس جس کو عطیہ دیا وہ اپنے ذاتی مال سے دیا......

اب سوال یہ ہے کہ جب دونوں طرح کی روایات موجود ہیں تو ہم کیوں نہ وہ روایات اختیار کریں جو حضرت عثمانؓ کے شایان شان ہیں اور جو اُن کے مجموعی طرز عمل سے مناسبت رکھتی ہیں۔ آخر ردّ و قبول کا یہ سنہری اصول صرف حضرت علیؓ کی حد تک کیوں محدود ہے۔ اس کی وسعت میں دیگر اکابر صحابہؓ کیوں نہیں آتے؟ کیا اس کا جواب صرف یہی نہیں کہ ذہن پرستی مانع ہے؟ جب نظریہ ہی یہ بنالیا گیا ہو کہ صحابۂ کرام پر سب وشتم ہونا چاہیئے تو پھر اس نظریہ کے سامنے کونسا اصول قائم رہ سکتا ہے۔ ہر اصول کو جواب دیا جا سکتا ہے یا اس سے تغافل برتا جا سکتا ہے لیکن ذہن نہیں بدلا جا سکتا، کیا یہی انصاف کا تقاضا ہے کہ قانون اور اصول کی نگاہ میں سب یکساں نہیں۔

اس اصول کا صحیح استعمال تو موصوف نے نہیں کیا البتہ ان کے اس اصول سے اتنا ضرور ثابت ہو گیا کہ تاریخ کی بعض روایات مسترد کر دینے کے قابل ہیں، ان پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ تاریخ کی تمام روایات من وعن قبول کرنے کے لائق نہیں، انہیں پرکھا جائے گا، اگر وہ صحیح ثابت ہوئیں تو انہیں تسلیم کیا جائے گا ورنہ ردّ کر دیا جائے گا۔

صحابۂ کرام کا مجموعی طرز عمل قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ جب کتبِ تواریخ کی ان روایات کے مقابلہ میں جو صحابۂ کرام کے مجموعی طرزِ عمل سے مناسبت رکھتی ہیں اُن روایات کو جن میں صحابۂ کرام کے مجموعی طرز عمل کے

خلاف کوئی بات بیان کی گئی ہو رد کیا جاسکتا ہے تو قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کے بیان کردہ مجموعی طرزِ عمل کے مقابلہ میں ان تاریخی روایات کو جن میں صحابہؓ کرام کے مجموعی طرزِ عمل کے خلاف کوئی بات بیان ہوئی ہے بدرجہ اولیٰ رد کردینا چاہیئے، لیکن افسوس ہے کہ اس پر عمل نہیں کیا جاتا، گویا قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کا درجہ تاریخی روایات سے بھی کم ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس قسم کا نظریہ رکھنے والوں کے سامنے جب ان کے نظریہ کے خلاف صحیح بخاری کی حدیث پیش کی جاتی ہے تو یہ لوگ اپنے نظریہ کی حمایت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ "کیا صحیح بخاری کی کوئی حدیث ضعیف نہیں ہوسکتی؟" مزید دلائل سننے کے بعد کہتے ہیں، "کیا آپ ہمارا ذہن بدلنا چاہتے ہیں؟ یہ نہیں ہوسکتا"۔ ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ ایسا نہیں ہوسکتا، ذہن پرستی ایسی بلائے جان بن گئی ہے کہ اب اس سے نجات ملنا مشکل ہے، اس سے نجات ملے تو ذہن بدلے، ذہن بدلے تو حق کو تسلیم کریں۔

قارئین کرام! غور فرمائیں، یہ کیا طرزِ عمل ہے؟ حق سامنے آرہا ہے لیکن اُسے اپنے خود ساختہ نظریہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے مسترد کیا جارہا ہے۔ کیا یہ حق پرستی ہے یا ذہن پرستی؟ تاریخ پرستی اور ذہن پرستی کا یہ منظر شاید ہی کبھی دیکھنے میں آیا ہو جو اب دیکھنے میں آرہا ہے۔ اس سائنس کے دور میں حقائق کا انکار اور جمود پر اصرار عجوبہ روزگار ہے۔

مندرجہ بالا ذہن پرستی کے ردِّ عمل میں ایک اور ذہن پرستی تحقیق کی موشگافیاں

اوپر جس ذہن پرستی کا ذکر کیا گیا اس کے ردِّ عمل میں ایک اور ذہن رُونما ہو رہا ہے گویا وہ بالکل اس کے برعکس ہے۔ اس ذہن کا لُبّ لباب "بغض علیؓ" ہے "حضرت علیؓ کی اہانت ایک تفریحی مشغلہ بن گیا ہے، ان کی فضیلت کی تمام حدیثیں مشکوک بلکہ موضوع سمجھی جا رہی ہیں۔ جب تاریخی واقعات کی تردید کرتے ہوئے اپنے نظریہ کی حمایت میں قلم اٹھتا ہے تو صحیح بخاری کی روایات بڑے فخریہ انداز میں اس طرح بیان کی جاتی ہیں کہ: "یہ اِدھر اُدھر کی باتیں نہیں، صحیح بخاری کی روایتیں ہیں۔" گویا عامۃ المسلمین کی طرح انہیں تسلیم ہے کہ صحیح بخاری کی روایات اتنی قابل اعتماد ہیں کہ ان کے خلاف تاریخی روایات کو پیش کرنا سراسر ہٹ دھرمی ہے لیکن جب اُسی صحیح بخاری کی روایات سے حضرت علیؓ کی منقبت ثابت ہوتی ہے تو ایڑی چوٹی کا زور لگا کر انہیں ناقابل اعتماد ثابت کیا جاتا ہے، پھر بڑے بھولے انداز میں اپنا دفاع یہ کہہ کر کیا جاتا ہے کہ ہم محدثین کے اصولوں پر ہی حدیث کو پرکھتے ہیں، اگر اُن اصولوں پر حدیث پوری اترتی ہے تو ہم اُسے تسلیم کرتے ہیں ورنہ ہم اُسے مسترد کر دیتے ہیں خواہ وہ صحیح بخاری ہی کی حدیث کیوں نہ ہو۔

روایات کو پرکھنے کے اصول

کسی روایت کو پرکھنے کے سب سے زیادہ اہم اصول یہ ہیں:۔

(۱) راوی صادق ہو
(۲) حافظہ کا مضبوط ہو اور
(۳) جس واقعہ کو وہ بیان کر رہا ہو اس کی جائے وقوع پر وہ خود موجود ہو۔

بتائیے ان اصولوں پر جو روایات پوری اترے گی وہ صحیح ہوگی یا نہیں۔ مان لیا کہ کوئی راوی بدعقیدہ بدکردار ہے لیکن اگر وہ سچا ہے، جھوٹ کبھی نہیں بولتا اور بھولتا بھی کبھی نہیں تو بتایئے اس کی بدعقیدگی یا بد کرداری کس طرح اس کی روایات پر اثر انداز ہوگی؟ بدعقیدگی یا بدکرداری جب اس کی صداقت کو متاثر نہیں کرتی تو آخر اس کی روایت کو مسترد کرنے کا کیا جواز ہے؟ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ثقاہت کے لئے راوی کے عقیدہ اور عمل کو دیکھا نہیں جاتا۔ ضرور دیکھا جاتا ہے اور دیکھا گیا ہے لیکن حقیقتاً یہ راوی کے صدق کو قوت پہنچانے اور اپنے اطمینان قلبی کے لئے ہوتا ہے اور اسی بنا پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ حدیث کے پرکھنے میں بڑی بڑی باریکیوں سے کام لیا گیا ہے۔

دنیا میں شاید ہی کوئی انسان ہو جس کے متعلق سب اچھی رائے رکھتے ہوں، اب جو شخص کسی راوی کے متعلق اچھی رائے نہیں رکھتا اس کے نزدیک وہ راوی ضعیف ہے حالانکہ حقیقتاً وہ ضعیف نہیں ہوتا۔ ضعف کا فیصلہ ایک فرد کی رائے سے کرنا اور مزید تحقیق نہ کرنا حقیقت پسندی نہیں۔

بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی نے غلط فہمی سے یا کسی غلط خبر کی بنیاد پر کسی کے متعلق غلط رائے قائم کرلی تو کیا اس کی رائے قابل وقعت سمجھی جائیگی؟

نہیں، یہاں بھی تحقیق کی ضرورت ہوگی۔
جرح وتعدیل کا فیصلہ تحقیق اور عامّۃ المحدثین کی رائے سے ہوگا نہ کہ انفرادی رائے سے، لہذا انفرادی رائے اگر اسماء الرجال کی کتابوں میں مل جائے تو اس کو بنیاد بنا کر کسی ثقہ راوی کو غیر ثقہ بنانا صرف اپنی رائے کو نباہنے کا بہانہ ہوگا۔ خصوصًا ایسی صورت میں کہ کوئی راوی صحیح بخاری یا صحیح مسلم کا راوی ہو تو پھر اُس پر ایسی انفرادی رائے سے جرح کا فیصلہ نہیں ہوگا۔ ہاں اگر کسی نے یہ فیصلہ ہی کر لیا ہے کہ کسی خاص حدیث کو اپنے نظریہ کی وجہ سے نہیں ماننا ہے تو صاف صاف یہی بات کیوں نہ کہدی جائے، اس کے لئے بہانہ تلاش کرنے سے کیا فائدہ۔ کسی راوی کے متعلق کسی فرد کی غلط رائے کو بنیاد بنا کر اس راوی کی ثقاہت کو کالعدم قرار دینا انصاف کا خون کرنا ہے، اس قسم کی تہمت سے کون بچ سکتا ہے۔ کیا ایک نام نہاد مسلم عبداللہ بن ذی الخویصرہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالمشافہ آپ پر ناانصافی کی تہمت نہیں لگائی؟ (صحیح بخاری و صحیح مسلم) کیا ایک مسلم المسمی بہ عیینہ نے حضرت عمرؓ کو منہ در منہ ناانصاف نہیں کہا۔ (صحیح بخاری) لیکن کیا اس قسم کی تہمتوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمرؓ بری نہیں؟ مخالف تو ضرور اس قسم کے الزامات لگا کر نبوت یا صحابیت پر چوٹ کرے گا لیکن کیا کوئی منصف مزاج بھی ایسا کرے گا، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمرؓ کے متعلق دوسری لاتعداد روایتیں ان تہمتوں کی ردّ کے لئے کافی نہیں؟ یہی حال روایانِ حدیث کا ہے۔ اگر ہمیں کسی راوی پر مخالف کی خود ساختہ جرح یا تہمت یا موافق کی غلط فہمی کی بنیاد پر جرح یا تہمت مل

جائے تو کیا ہم بھی اس کے متعلق وہی رائے قائم کرنے کے مجاز ہوں گے، کیا محدثین کی کثیر جماعت کی توثیق کے مقابلہ میں اس جرح یا تہمت کے پرخچے نہیں اڑ جائیں گے خصوصًا ایسی صورت میں کہ وہ راوی جرح کی گھاٹی کو عبور کر کے صحیح بخاری یا صحیح مسلم کا راوی بن چکا ہو، کیا امام بخاری اور امام مسلم نے اس کی روایت کو اپنی صحیح میں نقل کر کے اس بات کا ثبوت نہیں دے دیا کہ تحقیق حدِّ کمال کو پہنچ گئی، اتہامات اور غلط فہمیوں کے پرخچے اڑ چکے ہیں، اور یہ بات صرف اس وجہ سے نہیں کہ امام بخاری اور امام مسلم نے اُس راوی کو ثقہ کہا ہے بلکہ اس وجہ سے بھی کہ امام بخاری اور امام مسلم کے ساتھ سلف و خلف اور معاصرین بھی اس کی ثقاہت میں یک زبان ہیں، اب ان سب کی تحقیق کو مسترد کر کے غلط جرح کو تسلیم کرنا اور اس کو تحقیق شمار کرنا محض اپنے خود ساختہ نظریہ کی حمایت نہیں تو اور کیا ہے؟

پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ تہمت کا لگ جانا اور بات ہے اور تہمت کا ثابت ہونا اور بات ہے، اب اگر کسی پر چوری کی تہمت ہے تو اس کے یہ معنٰی نہیں کہ وہ درحقیقت چور ہے، یہ بڑی زبردست غلط فہمی ہوگی کہ کسی پر تہمت لگائی گئی ہو اور ہم اسے حقیقتًا ویسا ہی سمجھ لیں۔ اس مسئلہ کو ہر شخص اپنے اوپر منطبق کر کے دیکھ لے، حق کہنے کی وجہ سے بعض اُسے منافق کہتے ہوں گے، بعض وہابی کہتے ہوں گے، بعض خارجی کہتے ہوں گے، بعض قادیانی تک کہتے ہوں گے، تجربات اس کے شاہد ہیں اور یہ بالکل حقیقت ہے تو کیا وہ شخص واقعی ایسا ہے، وہ شخص خود فیصلہ کرے کہ کیا واقعی وہ لوگوں کے کہنے کے مطابق منافق، وہابی، خارجی یا قادیانی ہے۔ یقینًا وہ

یہی فیصلہ کریگا کہ یہ سب الزامات ہیں اور ایک تحقیق کرنے والا جب اس کے پاس پہنچ کر حقیقت کو معلوم کرلے گا تو وہ بھی ان الزامات سے اس کو بری سمجھ کر اس کو بالکل ثقہ سمجھنے پر مجبور ہوگا، بالکل اسی طرح جرح وتعدیل کے مسلمہ امام تحقیق کے بعد جرح وتعدیل کا فیصلہ کرتے ہیں، سنی سنائی باتوں پر نہیں۔

الغرض یہ تو ایک اصولی بحث تھی، جرح کرنے کے تو بہت سے بہانے ہو سکتے ہیں۔ جب کوئی شخص جرح کرنے ہی کی ٹھان لے تو کوئی نہ کوئی وجہ جرح کرنے کے لئے نکل ہی آئے گی۔ مثلاً ایک تابعی یہ کہتا ہے کہ میرے چچا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپؐ نے فرمایا ...... اس تابعی کا نام بھی معلوم ہے، اس میں کسی قسم کی خرابی نہیں، وہ ہر لحاظ سے ثقہ ہے لیکن پھر بھی اگر کوئی شخص یہ کہہ دے کہ اس تابعی نے اپنے چچا کا نام نہیں لیا جس کو اپنے چچا کا نام یاد نہیں وہ کیا حدیث کو یاد رکھے گا لہذا یہ تابعی ضعیف ہے تو بتایئے اس جرح کا کیا جواب ہے؟ اس نے یہ نہیں کہا کہ مجھے اپنے چچا کا نام یاد نہیں، نہ کسی دوسرے نے یہ کہا کہ اُس کو اپنے چچا کا نام یاد نہیں رہا تھا لیکن پھر بھی کوئی شخص اس کو جرح کا بہانہ بنالے تو کوئی کیا کر سکتا ہے؟ فرض کیجئے کہ کوئی شخص کہتا ہے کہ میرے والد نے مجھ سے اس اس طرح بیان کیا تو کیا ہم یہ فرض کرلیں گے کہ اس کو اپنے والد تک کا نام معلوم نہیں لہذا اس کی روایت کا اعتبار نہیں۔

اس طرح جرح کے بہت سے بہانے نکل سکتے ہیں، خواہ وہ بہانے غیر معقول ہی کیوں نہ ہوں، غیر معقولیت کا فیصلہ وہ کریں گے جو اُس جیسی ذہن پرستی میں مبتلا نہ ہوں۔ یہ تو حقیقت ہے کہ غیر معقول جرح کرتے والا من مانی

جرح کر کے بزعم خود اپنے نظریہ کے دفاع کرنے میں اپنے کو کامیاب سمجھے گا، اس کی ذہن پرستی کو ٹھیس نہیں پہنچے گی یا یوں کہیئے کہ وہ اپنی ذہن پرستی کو ٹھیس نہیں پہنچنے دیگا، لیکن ایسا شخص فریب نفس میں مبتلا ہو کر خود بھی گمراہ ہوگا اور بہت سے کم علم لوگوں کی گمراہی کا سبب بنے گا۔

خلاصہ الغرض یہ دو ذہن آجکل بہت چل نکلے ہیں، ایک ذہن کہتا ہے کہ حضرت علی رضؓ بہت اچھے تھے، حضرت معاویہؓ بہت بُرے تھے۔ دوسرا ذہن کہتا ہے کہ حضرت معاویہؓ بہت اچھے تھے، حضرت علیؓ بہت بُرے تھے، معلوم نہیں کسی ایسی حدیث کے تسلیم کرنے سے ان کا کیا بگڑتا ہے جس میں حضرت علی رضؓ اور حضرت فاطمہ رضؓ یا حضرت معاویہؓ اور حضرت یزیدؒ کی فضیلت بیان کی گئی ہو۔ اگر کوئی شخص محض اپنے نظریہ کی خاطر حدیث کو نہیں مانتا اور اس کی بے جا تاویل و تضعیف کرتا ہے تو کیا اسے ڈر نہیں کہ حدیث کو نہ ماننے کی وجہ سے کہیں اس کا ایمان جس کا وہ مدعی ہے سلب نہ ہو گیا ہو۔

ذہن پرستی کی ایک تازہ ترین مثال۔ ذہن پرستی کی ستم ظریفیاں

(۱) حضرت ابوہریرہؓ کی بیان کردہ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَجْعَلُوْا قَبْرِیْ عِیْدًا وَّصَلُّوْا عَلَیَّ فَاِنَّ صَلٰوتَکُمْ تَبْلُغُنِیْ حَیْثُ کُنْتُمْ (ابوداؤد)

میری قبر کو عید نہ بنانا البتہ مجھ پر درود بھیجتے رہنا، بے شک تمہارا درود مجھے پہنچ جائے گا خواہ تم کہیں بھی ہو۔

ڈاکٹر عثمانی صاحب نے اس حدیث کو توحید کے منافی سمجھا اور اسے ضعیف قرار دیا۔ ضعف کی وجہ یہ بتائی کہ اس کی سند میں ایک راوی عبداللہ بن نافع ضعیف ہے، ان کے اپنے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے، لکھتے ہیں :

"ابوداؤد میں جو درود پہنچائے جانے کی روایت آئی ہے اس میں عبداللہ بن نافع راوی ضعیف ہے۔" (یہ قبریں یہ آستانے ایڈیشن اوّل وثانی ص۱۶) (یہ مزاریہ میلے ص۱۸)

عثمانی صاحب کا اس حدیث کو ضعیف بتانا صحیح نہیں۔ یہ حدیث بالکل صحیح ہے، اس کا راوی عبداللہ بن نافع بن ابی نافع الصائغ جس کو موصوف نے ضعیف کہا ہے بالکل ثقہ ہے۔ یہ صحیح مسلم کا راوی ہے۔ اس راوی کے متعلق حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں :

"ثقة، صحيح الكتاب، في حفظه لين۔" (تقریب جلد اول ص۴۵۶) یہ راوی ثقہ ہے، صحیح الکتاب ہے، حافظہ میں نرمی ہے۔

امام یحیٰی بن معین نے عبداللہ بن نافع کو ثقہ کہا، امام مسلمؒ کا اس سے روایت کرنا اور امام یحیٰی بن معین کا اس کو ثقہ کہنا اس کی ثقاہت کے لئے کافی ہے (مرعاۃ شرح مشکوٰۃ جلد اول ص۶۹۲) عجلی اور خلیلی نے اس کو ثقہ کہا ہے، دارقطنیؒ اسے معتبر سمجھتے ہیں، امام شافعیؒ اس کی تعریف کرتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۶ ص۵۲) امام ابن تیمیہؒ نے اس حدیث کو حسن کہا ہے (مرعاۃ جلد ۱ ص۶۹۲)

علامہ احمد عبدالرحمٰن البنا الساعاتی تحریر فرماتے ہیں :

رواه ابوداؤد باسناد (امام) ابوداؤدؒ نے اس کو صحیح سند سے

صحیح (بلوغ الامانی شرح فتح الربانی جزء ۶ ۱۳ صـ۲۴) روایت کیا ہے۔

وصححہ النووی فی الاذکار۔ امام نووی نے بھی اذکار میں اسے صحیح کہا ہے۔ (مرعاۃ جلد اول صـ۶۹۲)

اس حدیث کے مزید شواہد سنئے:

(۲) حضرت علی رض کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ تَسْلِيْمَكُمْ يَبْلُغُنِىْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ (ابو یعلیٰ) بے شک تمہارا سلام مجھے پہنچ جاتا ہے خواہ تم کہیں بھی ہو۔

حافظ ضیاء مقدسی نے اس حدیث کو جید و صحیح بتایا ہے اور ان کی تصحیح امام ترمذی کی تصحیح کے قریب ہوتی ہے۔ (مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح جلد اول صـ۶۹۲)

علامہ احمد عبدالرحمٰن البنا الساعاتی فرماتے ہیں:

ولهذا الحديث شواهد صادقة من اوجه مختلفة منها عن علی ..... الخ (بلوغ الامانی جزء ۱۲ صـ۳۹) حضرت ابوہریرہ رض کی حدیث کے بہت سے سچے شواہد ہیں جو مختلف سندوں سے مروی ہیں، ان میں سے حضرت علی رض کی حدیث بھی ہے۔

گویا علامہ الساعاتی نے بھی اس حدیث کو صحیح بتایا ہے۔

(۳) حضرت حسن رض بن علی رض بن ابی طالب فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

صَلُّوْا عَلَیَّ وَسَلِّمُوْا فَاِنَّ مجھ پر درود بھیجو اور سلام بھیجو، بے شک

صَلَاتُکُمْ وَ سَلَامُکُمْ یَبْلُغُنِیْ اَیْنَمَا کُنْتُمْ (مسند ابویعلیٰ) وروی نحوہ عبدالرزاق فی مصنفہ (مصنف جلد۳ ص۲)
تمہارا درود وسلام مجھے پہنچ جاتا ہے خواہ تم کہیں بھی ہو۔

حافظ ضیاء مقدسی نے اس حدیث کو جید و صحیح بتایا ہے (مرعاۃ شرح مشکوٰۃ جلد اول ص۶۹۲)

(۴) حضرت حسنؓ بن علی بن ابی طالب کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حیثما کنتم فصلوا علی فان صلوتکم تبلغنی (اخرجہ الطبرانی فی الکبیر وسندہ حسن مرعاۃ جلد۱ ص۶۸۴)
جہاں کہیں بھی تم ہو مجھ پر درود پڑھا کرو، بے شک تمہارا درود مجھے پہنچ جائیگا۔

یہ حدیث حسن ہے۔

(۵) حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من صلی علی بلغتنی صلوتہ و صلیت علیہ (رواہ الطبرانی فی الاوسط وسندہ لابأس بہ۔ مرعاۃ جلد اوّل ص۶۸۴)
جو شخص مجھ پر درود بھیجتا ہے تو اس کا درود مجھے پہنچ جاتا ہے اور میں بھی اس لئے دعائے رحمت کرتا ہوں۔

اس حدیث کی سند میں کوئی خرابی نہیں [1]

---

[1] اس حدیث کے بعد ہم نے حضرت ابوطلحہؓ کی روایت کردہ ایک حدیث نقل کی تھی لیکن اس مرتبہ اس کو ساقط کر دیا کیونکہ اس کی سند کے ایک راوی میں کچھ کلام کیا گیا ہے۔

درود شریف کس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچایا جاتا ہے اس کی تفصیل بھی حدیث میں موجود ہے۔

(۶) حضرت ابو مسعود انصاری رضی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اکثروا علی من الصلوٰۃ یوم الجمعۃ فانہ لیس یصلی علی احد یوم الجمعۃ الا عرضت علی صلوتہ {رواہ البیہقی (فی شعب الایمان) وابن ابی عاصم ورواتہ ثقات کما قال البخاری (نیل الاوطار جزء ۳ صفحہ ۲۱)}	مجھ پر جمعہ کے دن کثرت سے درود بھیجا کرو اس لئے کہ جو کوئی بھی جمعہ کے دن مجھ پر درود بھیجتا ہے تو وہ درود مجھ پر (اسی دن) پیش کر دیا جاتا ہے۔

اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

(۷) حضرت ابو امامہ رضی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

صلاۃ امتی تعرض علی فی کل یوم جمعۃ (رواہ البیہقی بسند لا باس بہ۔ فتح الباری کتاب الدعوات جزء ۱۳ صفحہ ۴۲۱)	میری امت کا درود مجھ پر ہر جمعہ کے دن پیش کیا جاتا ہے۔

اس حدیث کی سند میں کوئی خرابی نہیں۔

(۸) حضرت اوس بن اوس رضی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان من افضل ایامکم یوم الجمعۃ ..... فاکثروا علیّ من الصلوٰۃ فیہ فان صلوتکم معروضۃ علیّ (رواہ ابوداؤد والنسائی و ابن ماجۃ واحمد)

جمعہ کا دن تمہارے تمام دنوں میں سب سے بہتر ہے...... لہٰذا اس دن مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو، بے شک تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔

یہ حدیث بالکل صحیح ہے، امام حاکم اور امام ذہبی نے اسے صحیح بخاری کی شرط پر صحیح کہا ہے، امام نووی اور امام ابن دحیہ نے بھی اسے صحیح کہا ہے (مرعاۃ جلد ۲ ص ۲۸۱) امام ابن حبان نے بھی اسے صحیح کہا ہے (فتح الباری جزء ۱۳ ص ۴۲۱)

اس حدیث کے تینوں راوی حسین بن علی الجعفیؒ، عبدالرحمٰن بن یزید بن جابرؒ اور شراحیل ابی الاشعث الصنعانی، صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے راوی ہیں (تقریب جلد اول ص ۱۷۷، ص ۵۰۲ و ص ۳۴۸)

شیخ ابوالحسن عبیداللہ بن علامہ محمد بن عبدالسلام مبارکپوری فرماتے ہیں:

فالحق ان الحدیث صحیح (مرعاۃ جلد ۲ ص ۲۸۱) حق یہ ہے کہ بے شک یہ حدیث صحیح ہے۔

باوجود اس کے ڈاکٹر عثمانی لکھتے ہیں:

"اس ضعیف روایت سے ناسمجھ لوگ انبیاء علیہم السلام کی قبر میں زندگی ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں" (یہ قبریں یہ آستانے ایڈیشن اول وثانی ص ۱۶) (یہ مزار یہ میلے ص ۱۸)

حدیث زیر بحث صحیح بخاری کی شرط پر صحیح ہے، اس کے راوی اعلیٰ درجہ

کے رواۃ میں شمار ہوتے ہیں پھر بھی بقول عثمانی صاحب یہ حدیث ضعیف ہے معلوم نہیں کس بنیاد پر اسے ضعیف کہا گیا ہے؟ اپنے نظریہ کی حمایت میں اسے ضعیف تو بتایا لیکن یہ نہیں بتایا کہ کیا ضعف ہے؟ آخر یہ کیا ذہن کہ اپنے نظریہ کی خاطر جس حدیث کو چاہا ضعیف کہدیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں درود شریف پہنچائے جانے کی روایتیں بالکل صحیح ہیں لیکن موصوف ان حدیثوں کا مذاق اڑاتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"عثمان رضی اللہ عنہ مشرکینِ مکّہ کی حراست میں رہے، نمازوں کو وہ کسی حال میں ترک کرنے والے نہ تھے مگر نماز میں پڑھا ہوا درود نبیؐ تک نہ پہنچا ورنہ عثمانؓ کے خون کا انتقام لینے کے لیے وہ "بیعت رضوان" نہ لیتے اور کہہ دیتے کہ عثمان زندہ ہیں اور ان کا درود پہنچ رہا ہے۔" ("یہ قبریں یہ آستانے" ایڈیشن اوّل وثانی ص۱۶) (یہ مزار یہ میلے ص۱۸)

جوابات : کتنی عجیب وغریب بات کہی گئی ہے۔ اس کا جواب کئی طرح سے دیا جاسکتا ہے۔

پہلا جواب : احادیث صحیحہ کے مقابلہ میں ہر قیاس فاسد ہے۔

دوسرا جواب : درود پہنچائے جانے کا انتظام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کیا گیا ہے نہ کہ زندگی میں کیا گیا تھا۔ حدیث زیر بحث میں یہ چیز موجود ہے کہ صحابہ کرام نے پوچھا کہ کس طرح آپ کو درود پہنچے گا حالانکہ آپ کا جسم بوسیدہ ہو جائے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ

انبیاء کے جسم کو مٹی نہیں کھاتی۔ مزید برآں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا تھا کہ "میری قبر کو عید نہ بنانا بلکہ مجھ پر درود پڑھتے رہنا، تمہارا درود مجھے پہنچ جائے گا۔ خواہ تم کہیں بھی ہو" (اس حدیث کی صحت اوپر ثابت کی جا چکی ہے)۔ کیا یہ الفاظ نہیں بتا رہے کہ درود کا پہنچایا جانا برزخی زندگی کے لئے مخصوص ہے نہ کہ حیات دنیوی کے لئے۔ افسوس ہے اتنی کھلی ہوئی حقیقت ان پر منکشف نہیں ہوئی۔

تیسرا جواب: احادیث مذکورہ بالا سے ثابت ہوا کہ درود شریف جمعہ کے دن پیش کیا جاتا ہے۔ اب غور طلب چیز یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر اور بیعت رضوان کا درمیانی وقفہ اتنا تھا کہ اس میں جمعہ کا دن بھی آیا اور اس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا درود آپ پر پیش نہ کیا گیا؟ لہذا اعتراض کرنے سے پہلے یہ ثابت کرنا ضروری ہے کہ خبر شہادت اور بیعتِ رضوان کے درمیان جمعہ آیا تھا اور کیونکہ اس بات کا کوئی ثبوت نہیں لہذا اعتراض بے معنیٰ ہے۔

چوتھا جواب: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نمازِ فجر کا درود تو پہنچا، لیکن نمازِ ظہر کا وقت آنے سے پہلے اشراق یا چاشت کے وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر آئی اور اسی وقت بیعت رضوان لی گئی۔ بتائیے اس میں آخر کیا اشکال ہے۔ نماز فجر اور نماز ظہر کے درمیان کافی طویل وقفہ ہوتا ہے پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ نمازِ ظہر زوال ہوتے ہی پڑھی گئی ہو، سفر میں تاخیر کا امکان ہے ایسی صورت میں وقفہ اور بڑھ جائے گا۔

پانچواں جواب: کیا یہ ثابت کیا جا سکتا ہے کہ درود شریف پڑھنے کا

حکم صلح حدیبیہ سے پہلے دیا جا چکا تھا؟ کیونکہ اس بات کا کوئی ثبوت نہیں لہٰذا اعتراض لغو ہے۔

ان پانچوں باتوں میں سے عثمانی صاحب نے کسی بات پر غور نہیں کیا اور بلاوجہ اعتراض کر دیا۔

درود شریف پہنچائے جانے کی مزید روایت ملاحظہ فرمائیے :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں درود و سلام کون پہنچاتا ہے اس کی تفصیل بھی حدیث میں موجود ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :

⑨ اِنَّ لِلّٰهِ مَلٰئِكَةً سَيَّاحِيْنَ فِي الْاَرْضِ يُبَلِّغُوْنِيْ مِنْ اُمَّتِيَ السَّلَامَ (رواہ النسائی فی کتاب الصلوٰۃ. ب باب التسلیم علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ورواہ احمد والدارمی وابن حبان)

اللہ کے (کچھ) فرشتے ہیں جو زمین میں (سیرو) سیاحت کرتے رہتے ہیں۔ وہ فرشتے میری امت کی طرف سے مجھے سلام پہنچاتے رہتے ہیں۔

یہ حدیث بھی بالکل صحیح ہے۔ امام حاکمؒ اور امام ذہبیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ امام ہیثمیؒ فرماتے ہیں: " اس حدیث کے تمام راوی صحیح کے راوی ہیں " (مرعاۃ جلد اوّل صفحہ ۶۸۴) امام ابن حبانؒ نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے (بلوغ الامانی جزء ۴ صفحہ ۳۱۱) لیکن جس کو نہ ماننا ہو وہ نہیں مانتا۔ ڈاکٹر عثمانی لکھتے ہیں :

" گھڑی ہوئی ہے " ("یہ قبریں یہ آستانے" ایڈیشن اول و ثانی صفحہ ۱۶)
(یہ مزار یہ میلے صفحہ ۱۸)

یہ روایت کیوں گھڑی ہوئی ہے؟ اس کی وجہ بتلاتے ہوئے موصوف تحریر فرماتے ہیں :

"اس روایت میں زاذان راوی ہے، ابن حجر "تہذیب التہذیب" میں اس کے متعلق کہتے ہیں "کان یخطی کثیراً" وہ بہت زیادہ خطا کرتا تھا، شعبہ کہتے ہیں میں نے سلمہ بن کہیل سے زاذان کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ ابو البختری میری نگاہ میں اس سے زیادہ اچھا ہے اور ابو البختری جو زاذان سے زیادہ اچھا کہا گیا اس کے متعلق یحیٰی بن معین کہتے ہیں "کان یکذب عدو اللہ" (وہ اللہ کا دشمن جھوٹا تھا) عثمان بن ابی شیبہ کہتے ہیں کہ میرے خیال میں وہ دجّال کی حیثیت سے اٹھایا جائے گا، احمد کہتے ہیں کان یضع الحدیث وضعًا (وہ بہت زیادہ روایتیں اپنی طرف سے گھڑا کرتا تھا)۔ (تہذیب التہذیب جلد ۳ ص۳۰۲ و ص۳۰۳ اور میزان الاعتدال ص۲۷۵ جلد ۳)

اب اس جھوٹی روایت کی حیثیت بھی دنیا کے سامنے ہے"
("یہ قبریں یہ آستانے" ایڈیشن اول وثانی ص۱۶)

جواب ڈاکٹر عثمانی کو دھوکا ہوا ہے۔ مذکورہ بالا پوری عبارت نہ تہذیب میں ہے اور نہ میزان میں۔ تہذیب کی عبارت "ابو البختری میری نگاہ میں اس سے زیادہ اچھا ہے" پر ختم ہو جاتی ہے اور باقی عبارت آخر تک صرف میزان میں ہے۔

ڈاکٹر عثمانی نے اس حدیث کو موضوع ثابت کرنے کی بنیاد اس بات

پر رکھی کہ

(۱) زاذان سے ابو البختری زیادہ اچھا ہے۔

(۲) اور کیونکہ ابو البختری حدیثیں گھڑتا تھا لہذا زاذان بدرجہ اولیٰ حدیثیں گھڑتا ہوگا کیونکہ وہ بہرحال ابو البختری کے بہ نسبت زیادہ برا ہے۔

گویا موصوف نے زاذان پر کوئی خاص جرح نہیں کی سوائے اس کے کہ "بہت خطاء کرتا ہے" جو کچھ جرح انہوں نے نقل کی وہ ابو البختری کے متعلق ہے، اب ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ آیا ابو البختری ایسا ہی ہے جیسا کہ موصوف نے لکھا ہے یا موصوف کو غلط فہمی ہوئی۔

ابو البختری دو ہیں۔ ایک سعید بن فیروز، دوسرا وہب بن وہب۔ جس ابو البختری کے متعلق سلمہ بن کہیل کا قول تہذیب میں ہے وہ سعید بن فیروز ہے نہ کہ وہب بن وہب۔ ڈاکٹر عثمانی نے بہت زبردست دھوکا کھایا ہے۔ جن کتابوں کے حوالہ سے عثمانی صاحب نے ابو البختری سعید بن فیروز پر جرح نقل کی ہے اُن میں تو اس کے متعلق مندرجہ ذیل توثیق بیان ہوئی ہے:

ابو البختری الطائی اسمہ سعید وھو ثبت (تہذیب التھذیب جلد ۴ صـ۷۲)	ابو البختری طائی کا نام سعید ہے اور وہ ثقہ ہے۔
صدوق (میزان الاعتدال جزء ۴ صـ۴۹۴)	(ابو البختری سعید) سچا ہے۔

الغرض ابو البختری سعید بالکل سچا ہے۔ ہاں ابو البختری وہب بن وہب جھوٹا ہے۔ عثمانی صاحب نے غلطی سے وہب بن وہب پر جو جرح کی تھی اسے

سعید بن فیروز کے متعلق سمجھ لیا اور غلط نتیجہ نکال لیا۔ عثمانی صاحب کو غلط فہمی اس لئے ہوئی کہ دونوں کی کنیت ایک ہی ہے یعنی ابو البختری۔

تہذیب التہذیب سے ابو البختری سعید کے متعلق مزید معلومات ملاحظہ فرمائیے:

عن ابن معین ثقۃ وکذا قال ابوزرعۃ وقال ابو حاتم ثقۃ صدوق ...... وقال فطر بن خلیفۃ عن حبیب بن ابی ثابت اجتمعت انا وسعید بن جبیر وابو البختری فکان الطائی اعلمنا وافقھنا وقال ھلال بن خباب کان من افاضل اھل الکوفۃ .... ذکرہ ابن حبان فی الثقات ..... و قال العجلی تابعی ثقۃ فیہ تشیع و نقل ابن خلفون توثیقہ عن ابن نمیر وقال ابو احمد الحاکم فی الکنی لیس بالقوی عندھم کذا قال و ھو سھو (تہذیب التہذیب جلد ۴ ص ۷۳)

ابن معین نے کہا کہ وہ ثقہ ہے، امام ابوزرعہ نے بھی ثقہ کہا ہے اور امام ابو حاتم کہتے ہیں ثقہ ہے اور بہت سچا ہے .... حبیب بن ابی ثابت کہتے ہیں کہ میں، سعید بن جبیر اور ابو البختری (ایک جگہ) جمع ہوئے (تو ہم نے دیکھا کہ) ابو البختری طائی ہم سب سے زیادہ عالم اور ہم سب سے زیادہ فقیہ ہیں اور ہلال بن خباب نے کہا ابو البختری اہل کوفہ کے افاضل میں سے ہیں ...... ابن حبان نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے .... عجلی کہتے ہیں ثقہ ہیں، تابعی ہیں، کچھ تشیع ہے۔ ابن خلفون نے ابن نمیر سے اُس کی توثیق نقل کی ہے۔ ابو احمد نے الکنی میں کہا ہے کہ ابو البختری ان کے نزدیک قوی نہیں، اگرچہ انہوں نے ایسا کہا ہے لیکن یہ سہو ہے۔

کتنے بڑے بڑے اماموں نے ابو البختری سعید کی توثیق کی ہے حتیٰ کہ عجلی

نے بھی جنہوں نے اس پر تشیع کی تہمت لگائی ہے اس کو ثقہ کہا ہے لیکن تشیع کی تہمت ثابت نہیں یہی وجہ ہے کہ اتنے بڑے بڑے اماموں نے اس کی توثیق کی ہے اور کسی نے اس تہمت کی تصدیق نہیں کی۔

خلاصہ الغرض ابوالبختری سعید پر جو جرح تہذیب کے حوالہ سے نقل کی گئی ہے وہ تہذیب میں نہیں ہے۔ میزان کے حوالہ سے جو جرح نقل کی گئی ہے وہ وہب ابوالبختری کے متعلق ہے نہ کہ سعید ابوالبختری کے متعلق۔ سلمہ کے قول میں جس ابوالبختری کی طرف اشارہ ہے وہ سعید ہے نہ کہ وہب۔ عثمانی صاحب نے جھوٹے ابوالبختری پر جو جرح کی تھی اُسے سچّے ابوالبختری کے کھاتے میں ڈال دیا۔ کاش عثمانی صاحب اس غلط بیانی سے رجوع کرتے۔[1]

بہرحال ابوالبختری سعید ثقہ ہے، صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا راوی ہے اور جو شخص صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا راوی ہو اس پر سے ساری جرحیں خود بخود اڑ جاتی ہیں، چہ جائیکہ جرح کا وجود ہی نہ ہو۔

اب جبکہ ابوالبختری سعید، تابعی امام، فاضل، فقیہ و عالم، ثقہ اور بہت سچّے ثابت ہو گئے تو زاذان جو اگرچہ ان سے بہتر نہ سہی لیکن ان کو کذاب کہنے کی اب کوئی وجہ باقی نہیں رہی۔ رہا موصوف کا یہ کہنا کہ سلمہ بن

---

[1] "یہ تیریں یہ آستانے" کی تازہ ترین اشاعت سے مذکورہ جرح کو خارج کر دیا گیا ہے گویا ڈاکٹر عثمانی نے عملاً اپنی غلط بیانی سے رجوع کر لیا۔ (یہ مزار یہ میلے ص۱۸)

کہیل کے نزدیک ابوالبختری زیادہ اچھے ہیں تو ممکن ہے ان کی یہ رائے صحیح ہو اور ممکن ہے صحیح نہ ہو، لیکن اس سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ سلمہ بن کہیلؒ کے نزدیک بھی زاذان اچھے راوی ہیں اگرچہ ابوالبختری کے درجہ کو نہ پہنچے ہوں۔ مقابلہ دونوں کی اچھائی میں ہے نہ کہ برائی میں۔ اب زاذان کے متعلق اماموں کی تحقیق سنیئے :

عن ابن معين ثقة لا يسأل عن مثله وقال ابن عدی احاديثه لا بأس بها اذا روی عنه ثقة ..... وقال ابن حبان فی الثقات كان يخطئ كثيراً ...... وقال ابن سعد ثقة كثير الحديث و قال محمد بن الحسين البغدادی قلت لابن معين ما تقول فی زاذان روی عن سلمان قال نعم روی عن سلمان وغيره وهو ثبت فی سلمان وقال الحاکم ابو احمد ليس بالمتين عندهم و قال ابن عدی روی عن ابن مسعود وتاب علی يديه .... وقال الخطيب كان ثقة وقال

ابن معین کہتے ہیں ثقہ ہے اس جیسے آدمی کے متعلق سوال ہی نہ کرنا چاہیئے، ابن عدی نے کہا کہ جب اس سے ثقہ راوی روایت کرے تو اس کی احادیث میں کوئی خرابی نہیں امام ابن حبان نے اس کو ثقات میں شمار کرکے کہا بہت خطاء کرتا ہے، امام ابن سعد کہتے ہیں، ثقہ ہے کثیر الحدیث ہے اور محمد بن حسین البغدادی کہتے ہیں کہ میں نے ابن معین سے پوچھا کہ آپ زاذان کے متعلق کیا کہتے ہیں؟ کیا اس نے حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت کی ہے؟ امام ابن معین نے کہا ہاں اس نے حضرت سلمانؓ اور دیگر صحابیوں سے روایت کی ہے اور وہ سلمان سے روایت کرنے کے سلسلے میں ثقہ ہے، امام حاکم نے کہا وہ محدثین کے نزدیک

العجلی کوفی تابعی ثقہ (تہذیب التہذیب جلد ۳ صفحہ ۳۰۳)

مضبوط نہیں۔ ابن عدی نے کہا زاذان نے ابن مسعود سے حدیثیں روایت کی ہیں اور ان ہی کے ہاتھ پر اس نے توبہ کی۔۔۔۔
خطیب بغدادی کہتے ہیں زاذان ثقہ ہے۔
عجلی کہتے ہیں زاذان کوفی تابعی اور ثقہ ہے۔

رہا ابن حجر کا یہ کہنا کہ "وہ بہت خطا کرتا ہے" تو اس کی بنیاد امام ابن حبان کا قول ہے جیسا کہ اوپر لکھا گیا اور اس کا جواب یہ ہے کہ امام ابن حبان نے بھی اس کو ثقہ کہا ہے۔ دوم یہ کہ امام ابن حبان سے زیادہ بڑے ائمہ جرح و تعدیل مثلاً یحییٰ بن معین نے اس کی توثیق کی ہے لہذا امام ابن حبان کا قول وقیع نہیں۔

ڈاکٹر عثمانی لکھتے ہیں :-

"زاذان کے متعلق ابن حجر عسقلانی تقریب التہذیب میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ فیہ شیعیۃ (اس میں شیعیت ہے)" (یہ مزار یہ میلے صفحہ ۱۹)

پہلا جواب ابن حجر کے اس قول سے ڈاکٹر عثمانی نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ زاذان شیعہ تھے۔ یہ بالکل غلط ہے۔ وہ شیعہ نہیں تھے۔ ابن حجر تشیع کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

فالتشیع فی عرف المتقدمین ھو اعتقاد تفضیل علی علی عثمان وان علیا کان مصیبًا فی حروبہ وان مخالفہ مخطی مع تقدیم الشیخین وتفضیلھا (تہذیب التہذیب ترجمۃ

ابان بن تغلب الربعی ابو سعد الکوفی جلد اول ص۹۴)
(ترجمہ) متقدمین کے نزدیک تشیع (شیعیت) سے مراد یہ عقیدہ ہے کہ علی عثمان سے افضل ہیں اور یہ کہ علی اپنی جنگوں میں حق پر تھے اور ان کا مخالف خطا پر تھا اس عقیدہ کے ساتھ کہ ابوبکر و عمر بہرحال (علی سے) مقدم اور افضل ہیں۔

الغرض ابن حجر ہی نے زاذان کی صفائی کر دی۔ حضرت علی کو حضرت عثمان سے افضل کہنے والا شیعہ نہیں ہوتا۔

دوسرا جواب تقریب التہذیب، تہذیب التہذیب کا خلاصہ ہے۔ کیونکہ تہذیب التہذیب میں اس قسم کا کوئی قول مذکور نہیں لہذا تقریب میں ابن حجر کا ان کے متعلق "فیہ شیعیۃ" کہنا مشکوک اور محل نظر ہے۔ اگر ابن حجر کا یہ قول صحیح ہوتا تو تہذیب میں انہوں نے متقدمین میں سے کسی کا قول ضرور نقل کیا ہوتا۔ کیونکہ متقدمین کا کوئی قول زاذان کی شیعیت کے بارے میں منقول نہیں لہذا ابن حجر کا تبصرہ کالعدم ہے۔ ابن حجر امام جرح و تعدیل نہیں ہیں، وہ تو صرف ناقل ہیں۔

الغرض مندرجہ بالا وجوہ کی بنیاد پر یہ یقینی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ زاذان شیعہ نہیں تھے۔ فللہ الحمد۔

علامہ البانی لکھتے ہیں:

وثقہ الجمہور من الائمۃ الفحول الذین علیہم العمدۃ فی باب الجرح والتعدیل (سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ ج۲ ص۳۳۳) یعنی ائمہ کرام میں سے جمہور ائمہ نے جن پر جرح و تعدیل کے معاملہ

ہیں اعتماد کیا جاتاہے زاذان کو ثقہ کہا ہے۔

مزید برآں زاذان صحیح مسلم کا راوی ہے لہذا جرح وقیع نہیں۔

آخر میں حضرت زاذانؒ اور حضرت ابوالبختریؒ کے متعلق حضرت عطاء بن السائب کا بیان سنیئے :-

رأیت خیار اصحاب علیؓ زاذان ومیسرة وابا البختری (مصنف عبدالرزاق جزء ۳ صہ ۷)

میں نے حضرت علیؓ کے بہترین اصحاب کو دیکھا ہے یعنی زاذان، میسرة اور ابوالبختری کو۔

الغرض زاذان ثقہ راوی ہے، ثبت ہے لہذا ملائکہ سیّاحین والی روایت بالکل صحیح ہے۔

اب تک ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں درود و سلام پیش کئے جانے کے متعلق نو حدیثیں نقل کیں، جن میں سے پانچ صحیح ہیں، چار حسن ہیں، کیا اتنی حدیثیں بھی مسئلہ زیر بحث کو ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں؟ ہم تو کہتے ہیں کہ ایک صحیح حدیث بھی کسی مسئلہ کو ثابت کرنے کے کافی ہے۔ افسوس ہے کہ اتنی صحیح حدیثوں کے باوجود اپنے ذہنی نظریہ کو ترک نہیں کیا گیا۔

انتباہ اگر ضعیف حدیثوں کو بھی شامل کرلیا جائے تو یہ تعداد سولہ[۱۶] تک پہنچ جاتی ہے لیکن ہم نے ضعیف حدیثوں کو اس لئے پیش نہیں کیا کہ وہ ہمارے نزدیک حجت نہیں، بلکہ ہم نے ان کو بطور شواہد کے بھی پیش نہیں کیا اگرچہ عثمانی صاحب شواہد میں خاموشی کے ساتھ ضعیف حدیث پیش کرتے ہیں بلکہ بطور حجت کے بھی پیش کرتے ہیں مثلاً عرس کی تردید میں

جو حدیث انہوں نے بطور حجت پیش کی ہے وہ بقول ان کے ضعیف ہے۔ ("یہ قبریں یہ آستانے" دوسرا ایڈیشن ص ۳۱)

توحید کا بہانہ

غالباً عثمانی صاحب یہ خیال کرتے ہیں کہ اگر درود پیش کیے جانے کی روایت کو مان لیا تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ثابت ہو جائے گی اور شرک کے دروازے کھل جائیں گے لیکن ہماری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ کسی شخص کو مردہ ثابت کرنے کے بعد ہی شرک کی جڑ کٹ سکتی ہے، یہ نظریہ ہی بالکل غلط ہے۔ اگر ہم کسی کو زندہ بھی مان لیں تب بھی یہ عقیدہ نہیں رکھ سکتے کہ وہ ہماری مشکل کشائی کر سکتا ہے، وہ حاضر و ناظر ہے، اُسے تصرف و اختیار ہے، ہمارا عقیدہ ہر حال میں یہ ہوگا کہ وہ زندہ ہونے ہوئے بھی بے بس و لاچار ہے' لہٰذا شرک کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، آخر شہیدوں کو ہم زندہ مانتے ہیں یا نہیں؟ جب ان کو زندہ ماننے سے شرک لازم نہیں آتا تو کسی دوسرے کو زندہ ماننے سے شرک کیسے لازم آجائے گا؟ کیا صرف زندگی ہی شرک کی اصل ہے؟ اگر زندگی نہ ہو تو شرک کی جڑ کٹ جائے گی؟ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی زندہ ہیں تو کیا اگر کوئی شخص ان کو حاضر و ناظر ماننے، مشکل کشا سمجھے، ان کی نذر و نیاز کرے تو وہ مشرک نہیں ہوگا؟ شرک کا تعلق موت و زندگی سے نہیں، جو زندہ ہے وہ بھی بے بس ہے، جو مر چکا ہے وہ بھی بے بس ہے اور جو مرنے کے بعد کسی خاص قسم کی زندگی سے بہرہ ور ہے وہ بھی بے بس ہے۔ شرک کے معاملے میں زندگی و موت کا سوال ہی لایعنی ہے، لفظوں کے ہیر پھیر سے کچھ نہیں ہوتا۔ مرنے کے بعد

کی زندگی کو برزخی زندگی کہہ لیجئے یا قبر کی زندگی، بہر حال وہ ایک زندگی ہے۔ محض قبر اور برزخ کے الفاظ کو باعثِ نزاع بنانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ متکلم کے منشاء کو مدنظر رکھ کر بات کرنی چاہیئے اور بلا وجہ اعتراض نہیں کرنا چاہیئے۔

موت کے بعد پیش کئے جانے کا مزید ثبوت

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :-

اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّ عَشِیًّا وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْۤا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ۝ (مؤمن - ۴۶)

آل فرعون کو صبح و شام آگ پر پیش کیا جاتا ہے اور جس دن قیامت ہو گی (حکم ہو گا کہ) آل فرعون کو زیادہ سخت عذاب میں داخل کرو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

اِذَا مَاتَ اَحَدُكُمْ فَاِنَّهٗ یُعْرَضُ عَلَیْهِ مَقْعَدُهٗ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِیِّ فَاِنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَمِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَاِنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ النَّارِ فَمِنْ اَهْلِ النَّارِ (صحیح بخاری کتاب بدء الخلق)

جب تم میں سے کوئی مرجاتا ہے تو صبح و شام اس کے سامنے اس کا مقام پیش کیا جاتا ہے، اگر وہ جنتی ہے تو اہلِ جنت کا مقام اور اگر دوزخی ہے تو اہلِ دوزخ کا مقام۔

ہر جنتی اور ہر دوزخی کے سامنے ان کے مقامات پیش کئے جائیں تو کوئی تعجب نہیں۔ جنتی اپنا مقام دیکھ کر خوش ہوں تو کوئی حیرت نہیں لیکن سید الاولین والآخرین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو اگر درود پیش کیا جائے تو

توحید کی جڑیں کھوکھلی ہوتی نظر آنے لگتی ہیں! آخر یہ کون سا توحیدی ذہن ہے؟ کیا یہ توحید ہے یا اپنے ذہنی نظریہ کی کھلی حمایت!

عثمانی صاحب کے اس نظریہ پر کسی نے اعتراض کیا تھا، اس اعتراض کو عثمانی صاحب کے قلم سے ملاحظہ فرمایئے۔ لکھتے ہیں:

"آخر نبیؐ نے مُردوں کے لئے یہی دعا، تو بتائی ہے جس کے شروع کے الفاظ یہ ہیں السَّلام علیکم یا اھل القبور..... الخ اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ خطاب ہے اور خطاب سننے والے سے کیا جاتا ہے اور سننے والا زندہ ہوتا ہے۔" ("یہ قبریں یہ آستانے" ایڈیشن اول و ثانی ص۱۷) (یہ مزار یہ میلے ص۱۹)

اس اعتراض کو نقل کرنے کے بعد موصوف تحریر فرماتے ہیں:-

"یہ سب عربی زبان سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے کیونکہ ہر عربی داں جانتا ہے کہ یہاں "یا" سے خطاب نہیں بلکہ دعا، مراد ہے، جیسے ہم اپنی زبان میں اپنے مرے ہوئے باپ کے متعلق کہتے ہیں کہ اے میرے باپ تم پر اللہ کی رحمت ہو، تم نے مجھے کیسی اچھی تعلیم دی تھی۔" ("یہ قبریں یہ آستانے" ایڈیشن اول و ثانی ص۱۷) ("یہ مزار یہ میلے" ص۱۹)

عثمانی صاحب نے اعتراض مذکور کا جو جواب دیا ہے وہ قارئین کے سامنے ہے۔ اس جواب میں عربی زبان کا حوالہ ایک مغالطہ کے سوا کچھ نہیں تاکہ اردو داں ذہن مرعوب ہو جائے۔

جوابِ مذکور میں خطِ کشیدہ الفاظ ملاحظہ فرمایئے، کتنا مضحکہ خیز جواب

ہے! کیا سلام کرنے وقت یہی جذبہ ہوتا ہے جو اس عبارت میں بیان کیا گیا ہے؟ کیا یہاں نظریہ کی بے جا حمایت کام نہیں کر رہی؟ اگر مُردے کو زندہ مان لیا تو بس شرک ہو جائے گا یا یہ کہ مُردے نے اگر کسی وقت بھی کچھ سن لیا تو توحید خاک میں مل جائے گی، حالانکہ یہ بالکل فرضی چیزیں ہیں جن پر ذہن تیار کیا گیا ہے۔ تمام مُردوں کو برزخی زندگی حاصل ہے، دنیا میں بھی اللہ ہی سناتا ہے اور برزخی زندگی میں سنانا بھی اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے وہ جس کو چاہے، جس وقت چاہے اور جو کچھ چاہے سنا دے۔ یہ صحیح ہے کہ ہم نہیں سنا سکتے لیکن اس سے اللہ تعالیٰ کے سنانے کی نفی نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

إِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ وَمَآ أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ۔	بے شک اللہ جس کو چاہے سنا سکتا ہے البتہ تم قبر والوں کو نہیں سنا سکتے۔

(فاطر۔ ۲۲)

اگر اللہ تعالیٰ کسی مُردے کو سلام سنا دیتا ہے تو اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ ہم بھی اُسے سنانے پر قادر ہیں، اللہ تعالیٰ سنا سکتا ہے، ہم نہیں سنا سکتے اور یہی فرق توحید ہے، اگر ہم یہ سمجھیں کہ ہم سنا سکتے ہیں تو بیشک یہ کفر ہے اور اگر ہم یہ یقین کریں کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے اور جو کچھ چاہے سنا سکتا ہے تو یہ ایمان ہے، یہ توحید ہے، اس کو شرک سے کیا نسبت! [لہ]

لہ اس مرتبہ ہم نے اس مقام پر مَا مِنْ اَحَدٍ يَمُرُّ عَلٰى قَبْرِ..... کو اس وجہ سے نہیں لکھا کہ اس کی صحت میں کچھ شک پیدا ہو گیا۔ ہمارے عقیدہ اور عمل کی بنیاد ضعیف حدیث نہیں۔

موصوف کا نظریہ

عثمانی صاحب نے نظریہ یہ بنا لیا ہے کہ مُردہ نہ سنتا ہے، نہ مُردے کو اللہ تعالےٰ سناتا ہے، نہ عام طور پر، نہ کسی خاص وقت اور نہ کسی خاص حالت میں، حالانکہ یہ نظریہ بالکل غلط ہے، مُردہ کو سننے کی نفی جو قرآن مجید میں ہے وہ ہمارے لئے ہے، اللہ تعالےٰ کے لئے نہیں ہے۔ لیکن موصوف اپنے نظریہ کی حمایت کرتے ہوئے پھر ایک حدیث کی بے جا تاویل کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

اَلْعَبْدُ اِذَا وُضِعَ فِیْ قَبْرِہٖ وَتُوُلِّیَ وَذَھَبَ اَصْحَابُہٗ حَتّٰی اِنَّہٗ لَیَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِھِمْ اَتَاہُ مَلَکَانِ فَاَقْعَدَاہُ .... (صحیح بخاری و صحیح مسلم)	جب بندہ قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے اصحاب اُسے چھوڑ کر جاتے ہیں اور ابھی وہ ان کی جوتیوں کی آواز سنتا ہوتا ہے کہ دو فرشتے اس کے پاس آتے ہیں اور اس کو بٹھاتے ہیں....

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک مخصوص وقت اور مخصوص حالت میں اللہ تعالےٰ مُردے کو جوتیوں کی آواز سنا دیتا ہے، لیکن ڈاکٹر عثمانی اسے تسلیم نہیں کرتے کیونکہ ان کے خیال میں اس سے ان کے نظریہ پر چوٹ پڑتی ہے۔ فرماتے ہیں :

"مردہ کو اٹھا کر بٹھایا جانا اور سوال و جواب ہونا دنیاوی جسم کے ساتھ ممکن نہیں، کیونکہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔" وَمِنْ وَّرَآئِھِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ (مؤمنون ـ ۱۰۰) ترجمہ (ان کے درمیان

"ایک آڑ" ہے قیامت کے دن تک) اب اٹھا کر بٹھایا جانا اور سوال وجواب کی برزخی نوعیت کیا ہے، تو ہم قرآن و حدیث پر ایمان لاتے ہیں، باقی کیفیت کیا ہے، کس طرح یہ سب کچھ ہوتا ہے اس کو ہم اللہ تعالےٰ کے علم کی طرف تفویض کرتے ہیں"۔ ("یہ قبریں یہ آستانے" ایڈیشن اول صکا)

سورہ مؤمنون کی جو آیت موصوف نے پیش کی ہے اول تو وہ بے محل ہے، قارئین کرام سورہ مؤمنون پڑھ کر خود فیصلہ کر سکتے ہیں، لیکن اسے جانے دیجئے۔ آیت اور حدیث میں کوئی تضاد نہیں۔ حدیث میں مُردے کے بٹھائے جانے کا ذکر ہے اور یہ بالکل صحیح ہے لیکن ہمارے اور اس کے درمیان آڑ ہے، اگر ہم قبر کھود کر بھی دیکھیں تو یہ آڑ بدستور رہے گی اور ہمیں کچھ نظر نہیں آئے گا، لیکن اس آڑ سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ بٹھایا جانا اور سوال وجواب کا ہونا دنیوی جسم کے ساتھ ممکن نہیں، دعویٰ کچھ دلیل کچھ! نظریہ کی حمایت کہاں سے کہاں لے جا رہی ہے۔

پھر عثمانی صاحب کا یہ لکھنا کہ "دنیوی جسم کے ساتھ ممکن نہیں"[1] بہت ہی مضحکہ خیز ہے، کیا یہ اللہ تعالےٰ کے لئے ممکن نہیں یا ہمارے لئے، اللہ تعالیٰ کے لئے تو یہ کام آسان ہے کہ وہ جب چاہے مُردے کے دنیوی جسم کو گویا کر دے، اللہ تعالےٰ کے لئے ناممکن ہونا عجیب و غریب ہے۔ رسول اللہ

---

[1] عثمانی صاحب نے عملاً اپنی غلطی تسلیم کر لی۔ تازہ ترین ایڈیشن میں ان الفاظ کو نکال دیا گیا (یہ مزار یہ میلے ص۱۹ و ص۲۰)

صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

وَتُعَادُ روحُہٗ فِی جَسَدِہٖ (رواہ ابوداؤد عن البراء فی کتاب السنۃ باب المسألۃ فی القبر جلد ۲ ص ۳۰۶ ورواہ احمد ورواہ الحاکم ۱/۳۷ و سندہ صحیح۔ التعلیقات للالبانی ۱/۵۱۵ وفتح الباری ۳/۲۷۹ و مرعاۃ ۱/۱۳۷)

اس کے جسم میں اُس کی روح لوٹائی جاتی ہے۔

جسم سے مراد دنیوی جسم نہیں تو اور کونسا جسم مراد ہے؟ اگر کسی اور جسم میں روح ڈالی جاتی تو "لوٹانے" کا لفظ حدیث میں نہ ہوتا۔ اس حدیث کی موجودگی میں دنیوی جسم سے سوال وجواب کو ناممکن بتانا افسوس ناک ہے، لیکن ڈاکٹر عثمانی اس حدیث کو اپنے حق میں مضر سمجھتے ہوئے اس کو صحیح نہیں مانتے اور اس کے دو راویوں زاذان اور منہال پر جرح کرتے ہیں۔ زاذان راوی کی جرح پر اوپر بحث گزر چکی ہے، جس میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ زاذان ثقہ ہے اور صحیح مسلم کا راوی ہے۔ منہال پر بھی جرح صحیح نہیں اس لئے کہ منہال کو ابن معین اور عجلی نے ثقہ بتایا ہے اور امام بخاری نے اپنی صحیح میں اس سے روایت کی ہے۔ امام بیہقی فرماتے ہیں "ھذا حدیث صحیح الاسناد" یہ حدیث صحیح سند کے ساتھ مروی ہے۔ امام حاکم فرماتے ہیں "صحیح علی شرط الشیخین" امام بخاری اور امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے، امام منذری فرماتے ہیں "ھذا حدیث حسن رواتہ محتج بھم فی الصحیح" یہ حدیث حسن ہے، اس کے تمام راوی وہ ہیں جن سے صحیح بخاری یا صحیح مسلم میں حجت لی گئی

ہے" وکذا قال ابو موسیٰ الاصبهانی" ابو موسیٰ اصبہانی نے بھی ایسا ہی کہا ہے (مرعاۃ المفاتیح جلد اول ص۱۳۷)۔

یہ حدیث حضرت براءؓ سے مروی ہے۔ امام حاکم نے اس کو ایک اور سند سے بھی روایت کیا ہے جس میں نہ منہال ہے اور نہ زاذان۔ یہ سند بھی صحیح ہے (المستدرک جزء اول ص۳۹)

الغرض حضرت براءؓ کی یہ حدیث بالکل صحیح ہے۔ یہ حدیث حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی مروی ہے اور اس کی سند بھی بالکل صحیح ہے (رواہ الحاکم۔ المستدرک جزء اول ص۳۸)

خلاصہ حضرت براءؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کردہ حدیثیں بالکل صحیح ہیں لہذا ثابت ہوا کہ مردے کی روح اس کے دنیوی جسم میں لوٹائی جاتی ہے حضرت براءؓ کی حدیث کی دوسری سند اور حضرت ابو ہریرہ رضؓ کی حدیث کی سند عثمانی صاحب کے اُس لغو اعتراض سے بھی پاک ہے جو انہوں نے حضرت براءؓ کی حدیث کی پہلی سند پر کیا ہے۔ اب تو اس حدیث کی صحت تسلیم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ مسلم کے لئے قبر کو فراخ کر دیا جاتا ہے اور کافر کے لئے تنگ کر دیا جاتا ہے یہاں تک کہ اس کی پسلیاں اِدھر کی اُدھر ہو جاتی ہیں۔ یہ سب کچھ قبر میں ہوتا ہے۔ رہی اس کی کیفیت تو وہ ہماری عقل سے بالاتر ہے۔ اس کا جواب وہی ہے جو عثمانی صاحب نے دیا ہے اور کیا خوب دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں :۔

"ہم قرآن و حدیث پر ایمان لاتے ہیں۔ باقی کیفیت کیا ہے، کس

طرح یہ سب کچھ ہوتا ہے اس کو ہم اللہ تعالےٰ کے علم کی طرف تفویض کرتے ہیں"۔ ("یہ قبریں یہ آستانے" ایڈیشن اول ص۱۷)

کاش عثمانی صاحب ہر جگہ اسی ایمان کا مظاہرہ کرتے تو کتنا اچھا ہوتا لیکن افسوس انہوں نے ہر جگہ ایسا نہیں کیا بلکہ اکثر وہ اپنے ذہنی نظریہ کو ترجیح دے جاتے ہیں، یہ چیز ذہن پرستی تک پہنچ جاتی ہے اور اس کا لازماً نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ توحید باقی نہیں رہتی۔ کاش وہ دوسرے اقسامِ شرک کے ساتھ ذہن پرستی کے شرک کا بھی لحاظ رکھتے۔

عثمانی صاحب اپنی کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں تحریر فرماتے ہیں:

"یہ سوال وجواب کا معاملہ ہر مُردہ کے ساتھ ہوتا ہے، اب جس شخص کا جسم جلا دیا گیا ہے یا جانوروں اور مچھلیوں نے جس کی لاش کھالی اس کا جسم ہی باقی نہ رہا تو اٹھا کر بٹھایا جانا، سوال و جواب کا ہونا اور اس دنیا میں اس کو جنّت و دوزخ کا نظارہ کرایا جانا کیسے ممکن ہے" ("یہ قبریں یہ آستانے" ایڈیشن ثانی ص۱۷)

(یہ مزار یہ میلے ص۱۹)

عثمانی صاحب نے جو اعتراض کیا ہے اس کا جواب تو بچّہ بھی دے سکتا ہے۔ کیا اللہ تعالےٰ کے لئے ممکن نہیں کہ وہ اُسی جسم کو دوبارہ پیدا کر دے؟ اللہ تعالےٰ قادرِ مطلق ہے وہ جو چاہے کر سکتا ہے، اگر اللہ تعالےٰ کے لئے ممکن نہ ہونا توحید کی شان ہے تو ایسی توحید اسلامی توحید نہیں، ایسی توحید ہندوؤں اور جینیوں میں مل سکتی ہے۔

آگے لکھتے ہیں:

"باقی" یسمع قرع نعالھم" کے متعلق علماء کا کہنا یہ ہے کہ یہ
یُسمعُ قرع نعالھم مجہول کا صیغہ ہے اور اس کے معنٰی یہ ہیں
کہ جوتوں کی چاپ سنی جاسکتی ہے، اس عبارت کا کنایہ ہونا امام
ابوحنیفہؒ سے بھی ثابت ہے۔" (یہ قبریں یہ آستانے" ایڈیشن
اوّل ص۱۷) دوسرے ایڈیشن میں بھی اسی قسم کی عبارت ہے
(ص۱۷) نئے ایڈیشن میں بھی یہی مضمون ہے (یہ مزار یہ میلے ص۲۰)

ہمارا ایمان ہے کہ مُردہ جوتوں کی چاپ سنتا ہے، ہم قرآن وحدیث پر ایمان لاتے ہیں اور کیفیت کو اللہ کے علم کے سپرد کرتے ہیں۔ کاش ڈاکٹر عثمانی بھی یہی کہتے اور اُسی جوشِ ایمانی کا مظاہرہ کرتے جس کا مظاہرہ وہ مذکورہ کتاب کے پہلے ایڈیشن میں کر چکے ہیں، یہاں بھی انہیں کہنا چاہیئے تھا کہ ہم قرآن وحدیث پر ایمان لاتے ہیں اور کیفیت کو اللہ تعالٰی پر چھوڑتے ہیں، یہاں پھر وہ اپنے ذہنی مفروضہ کو ترجیح دے گئے اور حدیث کی بلاوجہ تاویل کر دی۔

موصوف کی مندرجہ بالا عبارت سے تقلید اور حنفیت مترشح ہوتی ہے، توحید میں اتنے غلو کے باوجود الفاظِ حدیث کے مقابلہ میں علماء کی رائے کو پیش کرنا حیرت انگیز ہے، کیا یہ توحید ہے؟

علماء کہتے ہیں کہ "یسمع" مجہول کا صیغہ ہے۔ یہ کون سے علماء ہیں، کیا ان کا درجہ محدثین سے زیادہ ہے۔ محدثین کے مقابلہ میں ان علماء کی رائے کو پیش کرنا مناسب نہیں، محدثین جنہوں نے حدیث کو تلفظاً اپنے استاد سے سنا ہو ان کو زیادہ صحیح معلوم ہے یا بعد کے علماء کو کہ یہ لفظ معروف ہے یا مجہول۔ اگر امام بخاریؒ نے اس لفظ کو مجہول کے صیغہ سے سنا ہوتا تو وہ

کبھی اس حدیث پر باب نہ باندھتے۔

"باب المیت یسمع خفق النعال" (یہ باب کہ مُردہ جوتوں کی آواز سنتا ہے)

باب سے ظاہر ہے کہ مُردہ سنتا ہے اور باب کا مضمون حدیث کے متن کا شاہد ہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ حدیث میں "یسمع" معروف کا صیغہ ہے۔

محدثین نے تلفظاً اس حدیث کو اپنے استادوں سے سنا، انہوں نے اپنے استادوں سے اور اس طرح سلسلہ بہ سلسلہ حضرت انسؓ نے اسی طرح بیان کیا، نتیجہ یہ نکلا کہ بقول موصوف کے یہ شرکیہ جملہ حضرت انسؓ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے بھی نکلا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اسی طرح فرمایا تھا نعوذ باللہ من ذٰلک۔ سوچئے کیا یہ اللہ اور رسول پر ایمان ہے؟ کیا یہ قرآن وحدیث پر ایمان ہے یا اپنے ذہنی نظریہ پر۔ ہمارا تو یہ عقیدہ ہے اور ہمیں حسن ظن ہے کہ موصوف کا بھی یہی ایمان وعقیدہ ہوگا کہ آیت یا حدیث کے مقابلہ میں خود ان کے قول اور ان علماء کے قول دونوں کا وزن برابر ہے علماء کے اقوال بیان کرنے سے وزن زیادہ نہیں ہوگا، ایسے تصورات کو جو حق کے ماننے میں حائل ہوں ذہن سے نکال دینا چاہیئے ورنہ معاملہ ذہن پرستی تک پہنچ جائے گا۔

ہماری سمجھ سے یہ باہر ہے کہ زندہ کو اگر سمیع مانا جائے تو شرک نہیں ہوتا جیسا کہ ارشاد باری ہے۔

فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا (دھر۔ ۲) ہم نے انسان کو سمیع وبصیر بنایا۔

لیکن اگر مردہ کو سمیع مان لیا جائے تو شرک ہوجائے گا حالانکہ زندہ ہو یا مردہ محض سمیع ماننے سے شرک لازم نہیں آتا۔ زندہ اور مردہ کی سماعت

مقیّد ومحدود ہے، اللہ تعالےٰ کی سماعت غیر مقیّد اور لامحدود ہے۔ دونوں میں بیّن فرق ہے۔

مُردے کے سننے یا نہ سننے کے سلسلے میں صحیح اسلامی عقیدہ یہ ہے کہ "مُردہ انسانوں کی آواز نہ سنتا ہے، نہ سُن سکتا ہے، نہ انسان اُسے سُنا سکتے ہیں البتہ اللہ تعالےٰ جب چاہے اور جو کچھ چاہے مُردہ کو سُنا سکتا ہے اور سُنا دیتا ہے۔"

یہ عقیدہ قرآن وحدیث کے بالکل مطابق ہے اور اس میں شرک کا کوئی پہلو نہیں ہے۔ اس عقیدہ سے ہر حدیث جس کو موصوف نے زبردستی ضعیف کہہ کر ٹال دیا یا جس کی بعید از قیاس تاویل کردی اپنی اپنی جگہ پر بالکل صحیح ہے۔

عجیب وغریب مغالطہ

ڈاکٹر عثمانی لکھتے ہیں کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا : لَا تجعلوا قبری عیداً (ابوداؤد۔ نسائی) (میری قبر پر میلہ مت لگانا (ابوداؤد۔ نسائی)" ("یہ قبریں یہ آستانے" پہلا ایڈیشن ص۳۱)

ڈاکٹر عثمانی صاحب نے غلط لکھا ہے کہ یہ حدیث نسائی میں ہے۔ یہ حدیث سنن نسائی میں نہیں ہے، صرف ابوداؤد میں ہے۔ حدیث کے پورے الفاظ یہ ہیں :-

لَا تَجْعَلُوْا قَبْرِیْ عِیْدًا وَّ صَلُّوْا عَلَیَّ فَاِنَّ صَلٰوتَکُمْ تَبْلُغُنِیْ
میری قبر کو عید نہ بنانا البتہ مجھ پر درود پڑھتے رہنا کیونکہ تمہارا درود مجھے پہنچ جائے گا

حَیۡثُ کُنۡتُمۡ (ابوداؤد کتاب   خواہ تم کہیں بھی ہو۔
الحج باب زیارۃ القبور)

اس حدیث کے دو حصے ہیں۔

(۱) میری قبر کو عید نہ بنانا یعنی میری قبر پر میلہ نہ لگانا۔

(۲) درود پڑھتے رہنا، تمہارا درود مجھے پہنچ جائے گا خواہ تم کہیں بھی ہو۔

اگر اس حدیث کی سند صحیح ہوگی تو دونوں حصے صحیح ہوں گے، اگر حدیث کی سند ضعیف ہوگی تو دونوں حصے ضعیف ہوں گے۔ دونوں حصوں کی سند کی حیثیت مختلف نہیں ہوسکتی، لیکن ہمیں حیرت ہے کہ کس طرح عثمانی صاحب نے دونوں حصوں کی سند کو مختلف حیثیت دیدی، ایک حصہ کو قابل احتجاج سمجھا اور دوسرے حصہ کو ضعیف اور ناقابل احتجاج۔ عرس کی تردید کرتے ہوئے اس حدیث کو صحیح مان لیا اور دلیل میں پیش کردیا (جیسا کہ اوپر نقل کیا گیا ہے) اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک درود کے پہنچنے کا معاملہ آیا تو عبداللہ بن نافع راوی کو ضعیف کہہ کر حدیث کا انکار کردیا (ملاحظہ ہو "یہ قبریں یہ آستانے" ایڈیشن اول وثانی ص۱۶ (یہ مزار یہ میلے ص۱۸) یہ توحق پرستی نہیں ہوئی۔ یہ کام بذات خود توحید کے منافی ہے، توحید تو یہ ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملے اُسے ماننے، نہ اپنی رائے کو ترجیح دے، نہ کسی اور کی رائے کو، حدیث کے دونوں حصے ایک ہی حدیث کے متن میں شامل ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ ایک حصہ قابل احتجاج ہے اور دوسرا ضعیف اور ناقابل احتجاج؟ موصوف

نے عرس کی تردید میں اسے پیش کیوں کیا اور پیش کیا تھا تو یہ کیوں نہ بتایا کہ اس میں بھی وہی راوی ہے جس کو میں ضعیف مانتا ہوں، بتلایئے اسے کیا کہا جائے؟

مغالطہ در مغالطہ

ڈاکٹر عثمانی نے اپنی کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں حدیث کا متن بھی بدل دیا اور حوالہ بھی،

موصوف تحریر فرماتے ہیں:

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لَا تَجْعَلُوْا قَبْرِیْ اَوْ بَیْتِیْ عِیْدًا (رواہُ ابو یعلی وسعید بن منصور) ترجمہ: میری قبر یا گھر کو میلہ کی جگہ نہ بناؤ" ("یہ قبریں یہ آستانے" دوسرا ایڈیشن صـ۳۱) (یہ مزار یہ میلے صـ۲۹)

پہلے ایڈیشن میں ابوداؤد اور نسائی کا حوالہ دیا اور دوسرے ایڈیشن میں ابو یعلی اور سعید بن منصور کا، کیا اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ نہ ابو یعلی اور سعید بن منصور کی کتابیں ملیں گی نہ اس کا ضعف ظاہر ہوگا جس کو وہ چھپانا چاہتے ہیں؟ ہمارا حسن ظن تو اس بات کی اجازت نہیں دیتا لیکن پھر بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ صحاح ستہ کی کتب کو چھوڑ کر اتنی دور کا حوالہ کیوں دیا گیا ہے۔ بہر حال وجہ کچھ بھی ہو ہم مسند ابی یعلی اور سنن سعید بن منصور کی حدیثوں کا پورا متن نقل کرتے ہیں:

لا تتخذوا قبری عیدا ولا بیوتکم قبوراً فان تسلیمکم یبلغنی اینما کنتم (مسند ابی یعلی)	میری قبر کو عید نہ بنانا اور نہ اپنے گھروں کو قبرستان بنانا کیونکہ تمہارا سلام مجھے پہنچ جائے گا خواہ تم کہیں بھی ہو۔
صلوا فی بیوتکم ولا تتخذوھا قبوراً	اپنے گھروں میں نماز پڑھو، ان کو قبرستان

ولا تتخذوا بيتي عيداً وصلوا علی وسلموا فان صلواتکم وسلامکم یبلغني اينما کنتم (مسند ابی یعلی) (مرعاة جلد اوّل ص۶۹۲)

نہ بناؤ، اور میرے گھر کو عید نہ بنانا، مجھ پر درود و سلام پڑھتے رہنا، کیونکہ بیشک تمہارا درود و سلام مجھے پہنچ جائے گا خواہ تم کہیں بھی ہو۔

لا تتخذوا قبری عیداً ولا تتخذوا بیوتکم مقابر وصلوا علی فان صلوتکم تبلغني حیث ماکنتم۔ (سنن سعید بن منصور)

میری قبر کو عید نہ بنانا اور نہ اپنے گھروں کو قبرستان اور مجھ پر درود بھیجتے رہنا کیونکہ بے شک تمہارا درود مجھے پہنچ جائے گا خواہ تم کہیں بھی ہو۔

لا تتخذوا قبری عیداً ولا بیوتکم قبوراً وصلوا علی فان صلوتکم تبلغني (سنن سعید بن منصور) (مرعاة المفاتیح شرح مشکوٰة المصابیح جلد اول ص۶۹۲)

میری قبر کو عید نہ بنانا اور نہ اپنے گھروں کو قبرستان اور مجھ پر درود بھیجتے رہنا کیونکہ بے شک تمہارا درود مجھے پہنچ جائے گا۔

مندرجہ بالا تمام احادیث کے متن میں یہ بات بھی شامل ہے کہ درود و سلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچتا ہے لیکن ڈاکٹر عثمانی نے پوری حدیث نقل نہیں کی، کیا اس وجہ سے کہ دوسرا حصہ ان کے نظریہ کے خلاف ہے؟ یا اس وجہ سے کہ دوسرا حصہ جو اسی سند سے بیان ہوا ضعیف ہے، دوسرے ایڈیشن میں بھی عثمانی صاحب نے حق پوشی سے کام لیا، انہیں چاہیئے تھا کہ پہلے حصہ کو بھی ضعیف کہتے، اور اگر پہلے حصہ کو صحیح مانا تھا تو دوسرے حصّے کو بھی صحیح مان کر اپنے نظریہ سے رجوع کرتے لیکن انہوں نے ان دونوں کاموں میں سے

کوئی کام بھی نہیں کیا، اب ہم کیا کہہ سکتے ہیں کہ ایسا کیوں ہوا؟

ڈاکٹر عثمانی کا ایک اور کارنامہ

ڈاکٹر عثمانی لکھتے ہیں:

"اللہ گواہ ہے کہ بیہقی نے "دلائل النبوۃ" نامی کتاب لکھ کر امت پر سخت ستم ڈھایا ہے، بے حساب جھوٹی روایتوں کو انہوں نے تنقید کے بغیر چھوڑ دیا ہے اور یہ روایتیں شرک کا اصل سبب بنی ہیں اور آج اس کا خمیازہ دنیا والوں کو اللہ کے عذاب کی شکل میں بھگتنا پڑ رہا ہے۔ بیہقی کے بعد مشکوٰۃ کے مصنف نے اس کام کا بیڑا اٹھایا ہے، اپنی کتاب میں گھڑی ہوئی جھوٹی روایتوں پر روایتیں لاتے چلے گئے ہیں، اور کبھی یہ زحمت گوارا نہ کی کہ ان کی حیثیت سے امت کو باخبر کر دیتے۔ سوال کیا جا سکتا ہے ایسا کیوں کیا گیا تو جواب یہ ہے کہ تصوف کی ایجاد کے بعد سچ وجھوٹ کی تمیز اٹھ گئی اور نام نہاد صلحا، اور زہّاد حدیث کے میدان میں بھی اتر آئے" ("یہ قبریں یہ آستانے" ایڈیشن اول و ثانی صفحہ ۴) (یہ مزار یہ میلے صفحہ ۳۹)

ڈاکٹر عثمانی کی مندرجہ بالا عبارت سے مندرجہ ذیل باتیں ثابت ہوتی ہیں:

(۱) امام ابوبکر احمد بن الحسین البیہقیؒ اور امام ولی الدین محمد بن عبد اللہؒ نے امت پر ستم ڈھایا ہے۔

(۲) ان دونوں اماموں کی وجہ سے دنیا والے عذاب میں مبتلا ہیں۔

(۳) یہ دونوں مسلمہ امام نام نہاد صلحاء اور زہاد میں شامل ہیں اور تصوّف کے دلدادہ ہونے کی وجہ سے سچ وجھوٹ کی تمیز سے انہیں کوئی سروکار نہیں۔

موصوف کی مندرجہ بالا عبارت گستاخی کے حدود میں داخل ہوگئی ہے، امام بیہقیؒ جو بہت پایہ کے محدّث اور امامِ جرح وتعدیل ہیں ان کے حق میں موصوف کی یہ جسارت نہایت المناک ہے، اپنے نظریہ میں اتنا کھو جانا کہ ادب کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جائے بہت افسوسناک ہے، امام بیہقی اور صاحبِ مشکوٰۃ پر ذہن پرستی اور اس ذہن پرستی کی وجہ سے ان کا سچ وجھوٹ میں امتیاز نہ کرنے کا الزام قطعًا انصاف پر مبنی نہیں۔ موصوف نے اپنے ذہنی نظریہ کے لئے جو کچھ کیا وہ اوپر کی چند مثالوں سے آشکارا ہے لہٰذا موصوف اُسی عینک سے دوسروں کو بھی دیکھتے ہیں۔ ائمہ حدیث کا کوئی ذہنی نظریہ نہیں ہوتا، ان کا نظریہ حدیث ہوتی ہے یا حدیث کے نام سے جو کچھ مروی ہوتا ہے اس کا جمع کر دینا۔ اکثر محدثین نے احادیث جمع کی ہیں لیکن ان مؤلّفات میں ان کی سند پر کوئی بحث نہیں کی، اگر امام بیہقی نے ایسا کر دیا تو کون سا جرم کیا؟ یہ تو علماء محققین کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان کتب سے جو حدیث لیں سند دیکھ کر لیں۔

امام بیہقیؒ نے جو احادیث معجزات وکرامات کے سلسلہ میں نقل کیں اُن سے تزکیہ عقیدے اور اعمال کا استنباط جو لوگ کرتے ہیں یہ ان کا اپنا قصور ہے، امام بیہقی کا قصور نہیں۔ بعض لوگ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قصہ سے بھی بہت

سے غلط نتائج نکالتے ہیں مثلاً

(۱) ولی کا درجہ نبی سے زیادہ ہوتا ہے۔

(۲) ولی کا علم باطنی ہوتا ہے اور نبی کا علم ظاہری۔

(۳) طریقت، معرفت و حقیقت کے منازل طے کرنے والا شریعت سے بالاتر ہوتا ہے۔

بتائیے کیا ان غلط نتائج نکالنے کی وجہ سے قرآن مجید کے نازل کرنے والے کو برا کہا جائے گا یا ان ملحدین کو؟

قرآن شریف میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا تھا کہ میں ملکۂ سبا کا تخت آپ کی پلک جھپکنے سے پہلے لے آؤں گا اور پھر اس نے ایسا کر دکھایا، بتائیے کیا اس قصہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس شخص کو کائنات میں تصرف و اختیار حاصل تھا کہ کُن فیکون کی طرح سے کام انجام دیا کرتا تھا؟ کیا ولیوں کے تصرّف کی دلیل میں اہلِ تصوف یہ آیت پیش نہیں کرتے؟ کیا اس میں قرآن مجید کا قصور ہے یا بد باطن لوگوں کا؟

جب تیمم کی آیت نازل ہوئی تو حضرت اسید بن حضیرؓ نے حضرت عائشہ صدیقہ طاہرہ مطہرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے کہا تھا:

مَا هِيَ بِاَوَّلِ بَرَكَتِكُمْ يَا اٰلَ اَبِي بَكْرٍ۔ (صحیح بخاری کتاب التیمم)

اے آلِ ابی بکر یہ تمہاری پہلی ہی برکت نہیں ہے۔

اس حدیث سے بھی شرک کا پہلو نکالا جا سکتا ہے، سمجھ میں نہیں آتا کہ شرک کو کس کی طرف منسوب کریں، یا حدیث کو موضوع کہیں؟ بات کچھ

نہیں، سمجھ کا فرق ہے، اگر ہم یہ کہیں کہ برکتوں کے نزول کا سبب کوئی بھی بن سکتا ہے لیکن نازل کرنے والا اللہ تعالےٰ ہے تو یہ خالص توحید ہے اور اگر ہم یہ کہیں کہ برکتوں کا نازل کرنے والا اللہ تعالےٰ کے علاوہ کوئی اور بھی ہو سکتا ہے تو یہ شرک ہے، حضرت عائشہ صدیقہ طاہرہ مطہرہ رضؓ نزولِ برکت کا سبب بنی تھیں۔ وہ خود برکتوں کی نازل کرنے والی نہیں تھیں، اس میں کوئی شرک نہیں۔

موصوف نے امام بیہقی وغیرہ پر تو چوٹ کر ہی دی ہے۔ معلوم نہیں آئندہ یہ سلسلہ کہاں جا کر رُکے گا، ایسا نہ ہو کہ اگلا وار امام بخاری پر ہو اس لئے کہ وہ اس بات کے قائل ہیں کہ مُردہ دفن کے بعد جوتیوں کی آواز سنتا ہے، اگر ایسا ہوا تو پھر یہ وار کہیں رک نہیں سکتا۔ تمام محدثین اس کی لپیٹ میں آجائیں گے جنہوں نے اس حدیث کو یا دوسری احادیث کو جو موصوف کے ذہنی نظریہ کی مخالفت کرتی ہیں نقل کیا ہے، تمام محدثین مفتری سمجھے جائیں گے، نتیجہ یہ نکلے گا کہ صحیح حدیث کا وجود ہی کالعدم ہو جائے گا اور منکرینِ حدیث کی یہ بات صحیح ہو جائے گی کہ "حدیث حجت ہی نہیں، اگر حجت ہوتی تو ضرور محفوظ ہوتی، حدیث کا موجودہ ذخیرہ عجمی سازش کا شاخسانہ ہے۔"

کاش موصوف اپنے ذہن و قلم کو قابو میں رکھیں اور ان کو قرآن مجید اور حدیث شریف کا تابع بنائیں۔

شرک فی التشریع

موصوف نے اپنی کتاب میں کسی کے حق کا واسطہ دے کر دعا کرنے کو ناجائز بتایا ہے لیکن اس سلسلے میں نہ قرآن مجید کی آیت پیش کی نہ کوئی حدیثِ نبوی۔ کسی چیز کو حلال

یا حرام کرنے کا اختیار صرف اللہ تعالےٰ کو ہے لیکن معلوم نہیں موصوف نے یہ اختیار کب سے خود استعمال کرنا شروع کر دیا یا دوسروں کو تفویض کر دیا۔ اللہ تعالےٰ کی حرام کردہ چیز وہ ہے جو قرآن مجید یا حدیث نبوی میں حرام ہے، کسی کے فتوے سے کوئی چیز حرام نہیں ہو سکتی لیکن موصوف نے "بحق فلاں" کہہ کر دعا، مانگنے کو حرام تو کہا لیکن دلیل میں انہوں نے شرح کرخی، ہدایہ، صیانۃ الانسان وغیرہ کے حوالے دیتے ("یہ قبریں یہ آستانے" ایڈیشن اول وثانی ص۲۲ و ص۲۳) (یہ مزار یہ میلے ص۲۴) گویا انہوں نے اس چیز کو کو اقوال الرجال کے ذریعہ حرام کیا، تو کیا اقوال الرجال بھی اللہ کے دین میں قابل سند ہیں؟ کیا اللہ تعالےٰ کے علاوہ بھی کوئی شارع ہے؟ افسوس ہے کہ موصوف نے یہاں توحید کو ملحوظ نہیں رکھا اور شرک کی طرف مائل ہو گئے، ہمیں یہ تو حسن ظن ہے کہ موصوف اقوال الرجال اور فتووں کو دین میں شامل کرنا جائز نہیں سمجھتے، انہوں نے یہ فتوے دوسروں کو قائل کرنے کے لئے لکھے ہیں، اگر یہ بات صحیح ہے تب بھی دوسروں کے سامنے غیر اللہ کے اقوال کو سند بنانا گویا ان کو شرک فی الدین پر قائم رکھنا ہے اور شرک فی التشریع کو ماننے کی دعوت دینا ہے۔ ہونا یہ چاہیئے تھا کہ موصوف ان کو قرآن مجید اور حدیث شریف کے دلائل دے کر خاموش ہو جاتے اور انہیں یہ یقین دلاتے کہ دین میں سند صرف اللہ تعالےٰ کا فرمان ہے یا اس کے رسولؐ کی حدیث ہے، اسی پر ان کے ایمان کو استوار کرتے، توحید فی الدین اور توحید فی التشریع کی دعوت دے کر شرک فی الدین اور شرک فی التشریع کی تردید کرتے۔ توحید پھیلانے کا یہ طریقہ تو صحیح نہیں کہ کسی شرک کی

تردید کر کے کسی دوسرے شرک پر انہیں قائم رکھا جائے بلکہ اس شرکیہ فعل کو دلیل میں پیش کر کے اس شرک کی جڑیں اور مضبوط کی جائیں۔ توحید یہ ہے کہ بس اللہ تعالےٰ کے فرمان سے (جو قرآن مجید اور حدیث نبوی میں مذکور ہو) حلال و حرام کا فیصلہ کیا جائے، نہ اپنے ذہن سے فیصلہ کیا جائے اور نہ دوسروں کی رائے سے، لیکن موصوف نے اپنی کتاب میں ذہن سے فیصلہ کیا ہے یا دوسروں کی رائے سے۔ کیا آئندہ آنے والی نسلیں موصوف کی عبارتیں پیش کر کے موصوف کی طرف شرک کو منسوب نہیں کریں گی؟

حق کا واسطہ دے کر دعاء مانگنے کے سلسلے میں اگر موصوف کو کوئی دلیلِ حرمت نہیں ملی تھی تو بس اتنا لکھنا کافی تھا کہ دعاء مانگنے کا یہ طریقہ سنّت سے ثابت نہیں لہٰذا بدعت ہے۔

نوٹ :۔ "ذہن پرستی کی تازہ ترین مثال" کے عنوان سے جو مضمون اوپر لکھا گیا ہے وہ کتاب "یہ قبریں یہ آستانے" کے جواب میں نہیں لکھا گیا ہے بلکہ صرف ذہن سازی اور ذہن پرستی کے عنوانات کے تحت اس کی چند باتوں کو بطور مثال پیش کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر عثمانی کی کتاب "یہ قبریں یہ آستانے" کی مختلف اشاعتوں کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر عثمانی نے اپنی اس کتاب میں جگہ جگہ جو تبصرے کئے تھے ان سے خاموشی کے ساتھ رجوع کر لیا اور وہ تبصرے حذف کر دئے۔ ان کا علم بہت سطحی تھا، وہ بغیر تحقیق کئے بہت کچھ لکھ جایا کرتے تھے۔ ان کے قلم میں ادب کی بڑی کمی تھی یہی وجہ ہے کہ وہ بزرگوں کی شان میں گستاخانہ کلمات لکھ جایا کرتے تھے۔

ضمیمہ

ذہن پرستی اور تحریف

ذہن پرستی کی پہلی اشاعت میں "یہ قبریں، یہ آستانے" کے مصنف ڈاکٹر عثمانی صاحب کی چند عجیب وغریب غلط بیانیوں اور غلط فہمیوں کی نشاندہی کی گئی تھی، ذہن پرستی کے شائع ہوتے ہی یہ تاثر دیا جا رہا تھا کہ اس کا جواب لکھا جا رہا ہے۔ کافی عرصہ کے بعد موصوف کی طرف سے ایک کتابچہ بنام "توحیدِ خالص" دوسری قسط شائع ہوا، اگرچہ یہ کتابچہ ذہن پرستی کا جواب تو نہیں تھا لیکن بعض لوگوں کے ذہن میں پھر بھی یہ تاثر تھا کہ یہ کتابچہ ذہن پرستی کا جواب ہے۔ اس کتابچہ کے جواب دینے کا ہمارا کوئی ارادہ نہیں تھا لیکن بعض حضرات کے غلط تاثر اور بعض حضرات کے استفسار نے ہمیں مجبور کیا کہ عثمانی صاحب کو جو غلط فہمیاں ہوئی ہیں اور جن سے عوام کے ذہن بھی متاثر ہو سکتے ہیں ان کا ازالہ کیا جائے۔

یہ تو حقیقت ہے کہ ذہن پرستی میں جن غلط فہمیوں کی نشاندہی کی گئی ہے ان میں سے اکثر کا کوئی جواب نہیں دیا گیا اور یہ بھی حقیقت ہے کہ ان کا جواب انشاء اللہ قیامت تک نہیں دیا جا سکے گا، مثلاً

(۱) ایک ہی حدیث کے دو اجزاء میں سے ایک جزء کو عرس کی حرمت کے سلسلے میں بطور حجت پیش کیا گیا اور دوسرے جزء کو جس میں درود شریف

کے پہنچائے جانے کا ذکر ہے ضعیف کہہ کر ٹال دیا گیا، حالانکہ جب حدیث کے دونوں اجزاء کی سند ایک ہو تو ایک جزء صحیح اور دوسرا ضعیف یہ کیسے ممکن ہے۔ ڈاکٹر عثمانی نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔

(۲) اگر ڈاکٹر عثمانی کے نزدیک ضعیف حدیث حجّت ہے تو دوسرے کو وہ یہ حق کیوں نہیں دیتے کہ وہ بھی ضعیف حدیث کو بطور حجّت پیش کرے اور موصوف اسے حجّت تسلیم کریں۔

(نوٹ : جماعت المسلمین نہ ضعیف حدیث پیش کرتی ہے اور نہ اُسے حجّت مانتی ہے)

(۳) محولہ بالا حدیث کو ڈاکٹر عثمانی نے پہلے ابوداؤد اور نسائی کے حوالہ سے پیش کیا تھا لیکن دوسری اشاعت میں اس کو مسند ابی یعلیٰ اور سنن سعید بن منصور کے حوالہ سے پیش کیا، ابوداؤد اور نسائی جیسی بآسانی مہیا ہونے والی کتب کے بجائے ان نایاب کتابوں کا حوالہ کیوں دیا گیا۔ ڈاکٹر عثمانی کی طرف سے اس کا بھی کوئی جواب شائع نہیں ہوا۔

(نوٹ : نسائی میں یہ حدیث نہیں ہے اگرچہ ڈاکٹر عثمانی نے اسے نسائی کے حوالے سے بھی نقل کیا ہے)

(۴) مسند ابی یعلیٰ اور سنن ابن منصور کے حوالہ سے جو حدیث پیش کی گئی وہ ان کے نزدیک ضعیف ہے لیکن انہوں نے اس کے ضعف کو چھپایا اور اس چھپانے کی وجہ کا کوئی جواب نہیں دیا۔

(۵) مسند ابی یعلیٰ اور سنن ابن منصور میں بھی حدیث کا دوسرا جزء وہی ہے جس کو عثمانی صاحب تسلیم نہیں کرتے یعنی درود شریف کا پہنچایا جانا۔

عثمانی صاحب نے اس دوسرے جزء کو کیوں چھپایا تھا اس کا انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔

(۶) ذہن پرستی کے پرانے ایڈیشن کے صفحہ ۲۷ پر ہم نے نشاندہی کی تھی کہ ڈاکٹر عثمانی نے شرک کیا۔ موصوف نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔

(۷) صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت عثمان رضؓ کے درود پہنچائے جانے پر ڈاکٹر عثمانی نے جو اعتراض کیا تھا ہم نے اس کا جواب ذہن پرستی کے پرانے ایڈیشن کے صفحات ۴۸ و ۴۹ پر دیا تھا، موصوف نے اس کتابچہ میں اس کا بھی کوئی جواب نہیں دیا۔

(۸) ڈاکٹر عثمانی نے ابوالبختری سعید کے متعلق جو جرح تہذیب اور میزان سے نقل کی تھی وہ ان دونوں کتابوں میں نہیں ہے، موصوف نے اس مغالطہ کا بھی کوئی جواب نہیں دیا۔ میزان میں ابوالبختری وہب پر جو جرح تھی موصوف نے اُسے ابوالبختری سعید کے کھاتہ میں ڈال دیا۔ یہ غلط بیانی تھی یا عدم تحقیق کا نتیجہ [1]

(۹) ہم نے لکھا تھا کہ شرک کے سلسلہ میں زندہ اور مُردہ، سننے والے نہ سننے والے دونوں کی حیثیت برابر ہے، زندہ کو بھی اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات اور حقوق میں شریک نہیں کیا جا سکتا۔ عثمانی صاحب نے اس کا بھی کوئی جواب نہیں دیا۔

(۱۰) ہم نے قرآن مجید اور صحیح حدیث سے موت کے بعد بعض باتیں پیش

---

[1] "یہ قبریں یہ آستانے" کی تازہ ترین اشاعت میں موصوف نے اس کا کسی حد تک ازالہ کر دیا ہے۔

کئے جانے کا ثبوت دیا تھا، عثمانی صاحب نے اس کا بھی کوئی جواب نہیں دیا۔

"تلك عشرة كاملة"

اب ہم ان باتوں کی طرف متوجّہ ہوتے ہیں جن کا جواب دینے کی عثمانی صاحب نے کوشش کی ہے۔ وہ باتیں یہ ہیں۔

۱ درود شریف کا پہنچایا جانا۔

۲ مُردے کا "سلام کا جواب دینا"۔

۳ مُردے کا انسانوں کی جوتیوں کی آواز سننا۔

۱۔ درود شریف کے پہنچائے جانے کے سلسلے میں ہم نے دس حدیثیں پیش کی تھیں۔ عثمانی صاحب نے صرف دو حدیثوں پر کلام کیا ہے، آٹھ پر کوئی کلام نہیں کیا۔ مزید براں درود پہنچائے جانے کی حدیث موصوف کے نزدیک بھی صحیح ہے اس لئے کہ انہوں نے اس کے ایک جزء کو عرس کی تردید میں پیش کر کے حجّت مانا ہے، لہٰذا اس عنوان پر مزید کچھ لکھ کر ہم اپنے معروضات کو طول دینا نہیں چاہتے۔ قارئین کرام غور فرمائیں۔

۲۔ مُردے کے سلام کا جواب دینے کے سلسلہ میں عثمانی صاحب لکھتے ہیں۔

"کہا جاتا ہے کہ اس کی سند میں حمید بن زیاد ابوصخر راوی ہے"۔

(توحید خالص دوسری قسط ص۳۲) (نیا ایڈیشن ص۲۸) [1]

عثمانی صاحب کی اس عبارت سے ظاہر ہوا کہ اس کی سند میں حمید بن

---

[1] اس عبارت کو عثمانی صاحب نے اپنے کتابچے سے خاموشی کے ساتھ خارج کر دیا۔ فللّٰہ الحمد

زیادہ کا ہونا یقینی نہیں کیونکہ موصوف نے اس کو مجہول کے صیغہ سے ذکر کیا ہے ۔ اس کے بعد موصوف نے روح المعانی کی ایک عبارت پیش کی ہے وہ بھی صیغہ مجہول یعنی "قیل" سے شروع ہوتی ہے ، لہذا یہ بھی غیر یقینی ہے۔ ان غیر یقینی باتوں کی بنیاد پر علامہ ابن عبدالبر اور علامہ عبدالحق جیسے محدثین کی تصحیح کو کیسے مسترد کیا جا سکتا ہے ۔ جب عثمانی صاحب "قیل" کے بجائے "قال" کے صیغہ میں جرح پیش کریں گے تو ہم غور کریں گے اور اگر یہ حدیث ضعیف نکلی تو ہم انشاء اللہ ضد نہیں کریں گے ۔ اس حدیث کے مضمون کو ہم اپنے عقیدہ سے فوراً خارج کر دیں گے ، ہمارا عقیدہ تو وہی ہوتا ہے جو قرآن مجید اور صحیح حدیث میں ہو خواہ ہماری عقل تسلیم کرے یا نہ کرے ۔[1]

۳ ۔ مُردے کا جوتیوں کی آواز سننا :- اس سلسلہ میں موصوف نے پہلے معروف کے صیغہ "یَسْمَعُ" کو صیغہ مجہول "یُسْمَعُ" میں تبدیل کر دیا تھا ، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ موصوف نے اپنی غلطی تسلیم کرتے ہوئے پھر از سر نو صیغہ معروف تسلیم کر لیا ۔ لیکن اب انہیں ایک اور غلط فہمی ہو گئی وہ یہ کہ اب انہوں نے آدمیوں کی جوتیوں کو فرشتوں کی جوتیوں میں تبدیل کر دیا ۔ موصوف لکھتے ہیں ۔

"یقینی طور پر ان کی (فرشتوں کی) جوتیوں کی آواز سنتا ہے ۔ کہ دو فرشتے آجاتے ہیں ..... (توحید خالص ، قسط ۲ ، ص ۲۶)
(نیا ایڈیشن ص ۲۴)

---

[1] اس سلسلہ میں ص ۷۶ کا فٹ نوٹ ملاحظہ فرمائیں ۔

موصوف کی اس عبارت میں چند مفروضے اور مغالطے ہیں اور وہ یہ ہیں۔

۱۔ فرشتے جوتیاں پہنتے ہیں۔ یہ محض ایک مفروضہ ہے۔

۲۔ فرشتے زمین پر چل کر آتے ہیں نہ کہ اڑ کر۔ یہ بھی ایک مفروضہ ہے۔

۳۔ "نعالھم" (فرشتوں کی جوتیاں)۔ اس مرکب میں "ھم" کی ضمیر پہلے ہے اور اس کا مرجع (یعنی فرشتے) بعد میں۔ یہ عربی قواعد کے خلاف ہے اور ایک عیب ہے۔

۴۔ حدیث میں ہے کہ دو فرشتے آتے ہیں لہٰذا ان کے لئے تثنیہ کا صیغہ آنا چاہیئے تھا یعنی بجائے "نعالھم" کے "نعالھما" ہونا چاہیئے تھا۔ دو کے لئے جمع کا صیغہ عربی قواعد کے خلاف ہے۔

کاش عثمانی صاحب بتاتے کہ عربی قواعد کی یہ غلطیاں کس نے کیں؟ اللہ تعالیٰ نے، وحی لانے والے فرشتے نے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یا صحابی نے جس نے حدیث کو روایت کیا ہے (نعوذ باللہ من ذٰلك) یا غلطی عثمانی صاحب سے ہوئی کہ انہوں نے محض اپنے ذہنی نظریہ کے تحفظ کے لئے جوتیوں کی اضافت کو انسانوں کے بجائے فرشتوں کی طرف پھیر دیا۔

عثمانی صاحب کی تحریف معنوی اسی حدیث کی ایک عبارت "تولّی وذھب اصحابہ" کا ترجمہ موصوف اس طرح کرتے ہیں۔

"اس کا معاملہ پورا ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھی چلے جاتے ہیں"

(توحید خالص قسط ۲ صـ۲۷)

موصوف نے "تولّی" کے معنوں میں کس قدر تحریف کی ہے، کیا وہ مندرجہ ذیل حدیث میں بھی "تولّٰی" کے یہی معنی کریں گے۔

اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا وُضِعَ فِیْ قَبْرِهٖ وَتَوَلّٰی عَنْهُ اَصْحَابُهٗ وَ اِنَّهٗ لَیَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ اَتَاهُ مَلَکَانِ (صحیح بخاری کتاب الجنائز باب ماجاء فی عذاب القبر و صحیح مسلم کتاب الجنۃ) نوٹ: اس حدیث کا ترجمہ اگلی سطور میں ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث کی یہ عبارت موصوف کی تحریف[ے] معنوی کی تردید کے لئے کافی ہے۔

ذیل میں ہم موصوف کی نقل کردہ حدیث کے صحیح ترجمہ کے مقابلہ میں موصوف کا ترجمہ نقل کر رہے ہیں۔

صحیح ترجمہ	عثمانی صاحب کا ترجمہ
بندہ جب قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے ساتھی اس سے پیٹھ پھیرتے ہیں (اور واپس جاتے ہیں) تو ابھی وہ ان کی جوتیوں کی آواز سنتا ہوتا ہے کہ دو فرشتے اس کے پاس آتے ہیں۔	بندہ جب قبر میں رکھ دیا گیا اور اس کا معاملہ اختتام کو پہنچ گیا اور اس کے ساتھی چلے گئے ——— یہاں تک کہ وہ یقینی طور پر ان کی (فرشتوں کی) جوتیوں کی آواز سنتا ہے ——— کہ دو فرشتے آجاتے ہیں۔ (توحید خالص دوسری قسط، صفحہ ۲٦ - نیا ایڈیشن ص۲۴)

قارئین کرام کے سامنے دونوں ترجمے ہیں وہ خود ہی فیصلہ کریں کہ کون سا ترجمہ صحیح ہے اور کون سا محرّف۔ موصوف کے ترجمہ میں دو جگہ ڈیش اور قوسین کے درمیان کی عبارت قابل غور ہے۔

[ے] عثمانی صاحب نے یہ عبارت "اس کا معاملہ پورا ہو جاتا ہے" کو اپنے کتابچہ "توحید خالص دوسری قسط" سے خاموشی کے ساتھ خارج کر دیا گویا عملاً انہوں نے اپنی تحریف معنوی سے رجوع کر لیا۔ فللہ الحمد۔

فیصلہ کن حدیث

اب ہم اس حدیث کے وہ الفاظ نقل کرتے ہیں جو اس معاملہ میں فیصلہ کن ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :

اِنَّ الْمَیِّتَ اِذَا وُضِعَ فِیْ قَبْرِہٖ اِنَّہٗ لَیَسْمَعُ خَفْقَ نِعَالِھِمْ اِذَا انْصَرَفُوْا (صحیح مسلم)	بے شک جب مردے کو اس کی قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور جب وہ (یعنی اس کے ساتھی) لوٹتے ہیں تو مردہ یقیناً ان کی جوتیوں کی آواز سنتا ہے۔

اس حدیث میں نہ تو "یُسْمَعُ" یعنی مجہول کے صیغہ کے لحاظ سے صحیح ترجمہ ہوسکتا ہے اور نہ جوتیوں کی اضافت فرشتوں کی طرف ہوسکتی ہے اس لئے کہ حدیث ان الفاظ پر ختم ہوجاتی ہے۔ اس میں فرشتوں کا ذکر ہی نہیں ہے کہ ضمیر کو ان کی طرف پھیرا جاسکے، جو لوگ واپس ہوتے ہیں انہی کی طرف ضمیر کو لوٹایا جاسکتا ہے اور یہی صحیح ہے۔ اور پھر حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ جب وہ لوگ واپس جاتے ہیں اس وقت مُردہ ان کی جوتیوں کی آواز سنتا ہے جبکہ عثمانی صاحب کا خیال یہ ہے کہ جب فرشتے آتے ہیں اس وقت وہ ان کی جوتیوں کی آواز سنتا ہے۔ الغرض حدیث کے الفاظ ان معنوں کے قطعاً متحمل نہیں جو معنی موصوف کرنا چاہتے ہیں۔

ترجمہ کی ایک اور غلطی

التحیات کا ترجمہ کرتے ہوئے عثمانی صاحب لکھتے ہیں "اللہ کی سلامتی ہو ہم پر اور سارے نیکو کاروں پر، پس جب تم یہ کہو گے تو یہ کلمہ ہر اس صالح بندے کو پہنچ جائے گا جو۔ اشہدان لاالہ الا اللہ واشہدان محمداً عبدہٗ ورسولہٗ کا

کہنے والا ہوگا۔" (توحید خالص، قسط ۲ صـ۱۳)

کلمہ شہادت جو التحیات کے ساتھ منسلک ہے موصوف نے کس طرح اس کو شہادتِ ایمان کی طرف موڑ دیا اور التحیات سے اس کو خارج کر دیا۔

مزید غلط فہمیاں

موصوف نے امام احمد بن حنبلؒ، امام بخاریؒ اور دیگر ائمہ کی طرف جو باتیں منسوب کی ہیں اور ان کے علاوہ اور غلط فہمیاں جو موصوف کو ہوئی ہیں ان کے جواب کے لئے نہ نہ ہمارے پاس وقت ہے، نہ گنجائش۔ قرآن مجید اور احادیث شریف کی روشنی میں ان تمام غلط فہمیوں کا ازالہ بہت عمدہ طریقہ سے کیا جا سکتا ہے لیکن پوری کتاب کا جواب دینا ہمارا مقصد نہیں، ہم اس کام کو کسی اور اللہ کے بندے کے لئے چھوڑتے ہیں، شاید اللہ تعالےٰ کسی کو توفیق دے اور وہ اس کتاب کا مفصّل جواب شائع کر دے۔ ہم نے جو غلط فہمیاں اور مغالطے اوپر ذکر کر دیئے ہیں وہی اس بات کا کافی ثبوت ہیں کہ عثمانی صاحب کے نہ حوالوں کا اعتبار ہے اور نہ ترجمے کا۔ موصوف ذہن پرستی کا شدّت سے شکار تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اکابر کی شان میں ان سے گستاخیاں ہوتی رہیں۔

ڈاکٹر عثمانی اپنی غلطیوں پر کبھی نادم نہیں ہوتے تھے بلکہ چپکے سے اپنی کتابوں میں ترمیم کر دیا کرتے تھے۔ ترمیم کی وجہ سے صفحات کے نمبر بدل جایا کرتے تھے اور تلاش کرنے والے کو حوالہ مشکل سے ہی ملتا تھا۔ مزید ہوشیاری یہ کرتے تھے کہ اپنی کتابوں پر تاریخ اشاعت اور ایڈیشن نمبر کبھی نہیں لکھتے تھے۔

ذہن پرستی کی کرشمہ سازیاں

گذشتہ صفحات میں ہم بتا چکے ہیں کہ " ذہن پرستی " کیا کیا گل کھلاتی ہے۔ ان صفحات میں ہم نے مختلف فرقوں کی اجتماعی ذہن پرستی اور مختلف نظریات کے حاملین کی انفرادی ذہن پرستی کا ایک خاکہ پیش کیا ہے۔

" یہ قبریں، یہ آستانے " کے مصنف عثمانی صاحب کی ذہن پرستی کی نشاندہی بھی ہم ان صفحات میں کر چکے ہیں۔

عثمانی صاحب ذہن پرستی کے بہت زیادہ شکار رہے۔ ان کا نظریہ تھا کہ عذابِ قبر اس ارضی قبر میں نہیں ہوتا بلکہ عالمِ برزخ کی قبر میں ہوتا ہے۔ معلوم نہیں یہ دو قبروں کا عقیدہ کس آیت یا حدیث سے ماخوذ ہے۔

عثمانی صاحب کا حال یہ تھا کہ ارضی قبر کے عذاب کے جتنے دلائل دیے جاتے تھے وہ اکثر ان سب کا کسی نہ کسی طرح سے انکار کر دیتے تھے۔ اس نظریہ نے ان کے ذہن میں ایسی جگہ پکڑ لی تھی کہ اگر وہ کسی آیت یا حدیث کا انکار نہیں کر سکتے تھے تو اس کی تاویل ضرور کر دیتے تھے۔

ابھی چند دن ہوئے انہوں نے ایک کتابچہ بنام " عذابِ قبر " شائع کیا تھا۔ اس کتابچہ میں انہوں نے ارضی قبر کے عذاب کی ایک دلیل کو کس طرح توڑا تھا اُن ہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمایئے۔ وہ لکھتے ہیں :۔

"عمرو بن العاصؓ پر جب سکرات موت کا عالم طاری تھا (وَهُوَ فِيْ سِيَاقِ الْمَوْتِ) تو انہوں نے اپنے بیٹے عبداللہ بن عمروؓ کو وصیت کی کہ مجھ پر مٹی ڈالنے اور دفنانے کے بعد کچھ دیر میری قبر کے پاس ٹھہرے رہنا تاکہ میں تمہاری موجودگی کی وجہ سے مانوس رہوں اور مجھے معلوم رہے کہ اپنے رب کے رسولوں (فرشتوں) کو کیا جواب دوں" (عذاب قبر ص۱۹)

مندرجہ بالا واقعہ جس کی طرف عثمانی صاحب نے اشارہ کیا ہے ارضی قبر میں سوال وجواب کی کھلی دلیل ہے لیکن وہ اس دلیل کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ اس کی تردید کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں :-

"یہ سکرات الموت کے وقت کی بات ہے جیسا کہ اسی حدیث کے الفاظ ہیں "وَهُوَ فِيْ سِيَاقِ الْمَوْتِ" ایسے وقت کی بات جب آدمی اپنے آپے میں نہ ہو قرآن وحدیث کے نصوص کو کیسے جھٹلا سکتی ہیں۔ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعہ قرطاس کو نگاہ میں رکھنا مناسب ہے۔ بخاری روایت کرتے ہیں کہ وفات سے چار دن پہلے یعنی جمعرات کے دن جب آپؐ پر بیماری کی شدت تھی، نبیؐ نے ارشاد فرمایا کہ کتاب لاؤ میں تمہارے لئے وہ لکھ دوں کہ تم کبھی گمراہ نہ ہو۔ تو بعض صحابہ جن میں عمر بن خطابؓ بھی شامل تھے کہا کہ آپؐ پر مرض کی شدت کی وجہ سے بحرانی کیفیت طاری ہے اسی کے زیر اثر آپ یہ فرما رہے ہیں اس لئے لکھوانے کی ضرورت نہیں ہے۔ الفاظ یہ ہیں

"أَهَجَرَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ"۔ (عذاب قبر ص۱۹)
(عذاب برزخ ص۱۹)

نوٹ :۔ بحران اس بکواس کو کہتے ہیں جو بیماری کی شدت میں واقع ہوتی ہے ۔

عثمانی صاحب آگے لکھتے ہیں :۔

"وفات سے چار دن پہلے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بیماری کی وجہ سے بحرانی کیفیت طاری ہو سکتی ہے تو کیا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ پر اس وقت جب کہ وہ عین سکرات کی حالت میں ہوں طاری نہیں ہو سکتی"۔ (عذاب قبر ص۲۰) [1] (عذاب برزخ ص۲۰)

عثمانی صاحب کے مندرجہ بالا اقتباسات سے مندرجہ ذیل نتائج برآمد ہوئے :۔

(۱) صحابہ نے "أَهَجَرَ" کہا تھا۔

---

[1] عثمانی صاحب کی وکالت کرتے ہوئے ایک صاحب نے یہانتک لکھ دیا کہ اس حدیث کی سند میں ایک راوی ضحاک ہے جس کو عقیلی نے ضعیف بتایا ہے۔ حالانکہ وہ قطعاً ضعیف نہیں ہے۔ امام ذہبی لکھتے ہیں : انہ احد الاثبات، تناکرہ العقیلی (میزان) ضحاک اثبات میں سے ہے۔ عقیلی اُسے نہیں پہچانتے۔ عثمانی صاحب کی وکالت کرنے والے مضمون نگار نے "تناکر" کے معنیٰ منکر کئے ہیں حالانکہ یہ صحیح نہیں۔ ڈاکٹر عبدالمعطی امین قلعجی لکھتے ہیں : والضحاک بن مخلد ثقۃ، روی لہ الستۃ فی کتبھم والاجماع علی توثیقہ من ابن معین وابن حبان وابن سعد والعجلی وابن قانع یعنی ضحاک ثقہ ہے۔ صحاح ستہ کے مؤلفین اس سے روایت کرتے ہیں۔ اس کی توثیق پر ابن معین، ابن حبان ابن سعد، عجلی، ابن قانع کا اجماع ہے (حاشیۃ الضعفاء الکبیر للعقیلی جزء ۲ ص۲۲۳)۔ ضحاک کو ضعیف کہنے والے نے کوئی ٹھوس بات نہیں کی۔ ضحاک صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے راوی ہیں۔ اُن کو ضعیف کہنا ہٹ دھرمی اور نظریہ پرستی کے سوا اور کچھ نہیں۔ بقول ذہبی عقیلی اُن کو نہیں پہچانتے تو قصور عقیلی کا ہے نہ کہ ضحاک کا۔

(۲) حضرت عمرو بن العاصؓ پر بحرانی کیفیت طاری تھی۔
(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی بحرانی کیفیت طاری ہوئی۔
العیاذ باللہ۔

عثمانی صاحب کی غلطیاں

۱۔ تحریفِ لفظی صحیح بخاری میں "أَهُجُرَ" نہیں ہے بلکہ "أَهَجَرَ" ہے۔ عثمانی صاحب نے "أَهَجَرَ" کو "أَهُجُرَ" بنا دیا اور پھر سوالیہ جملہ کو جملہ خبریہ میں تبدیل کر دیا۔

۲۔ تحریفِ معنوی "اَهَجَرَ" ذو معنی لفظ ہے۔ اس کے یہ معنیٰ بھی ہو سکتے ہیں: "کیا آپ (دنیا کو) چھوڑ رہے ہیں؟" اور یہ معنیٰ بھی ہو سکتے ہیں: "آپ کو بحران ہو گیا ہے" یا "کیا آپ کو بحران ہو گیا ہے؟"

عثمانی صاحب نے دوسرے معنی اختیار کئے اور وہ بھی خبر کے معنیٰ ہیں، سوال کے معنیٰ میں نہیں۔ عثمانی صاحب کو چاہیئے تھا کہ معنی کرتے وقت شانِ رسالت کا تو لحاظ کرتے لیکن انہوں نے اپنے نظریہ کی حمایت کو مدنظر رکھتے ہوئے شانِ رسالت کا کوئی لحاظ نہیں کیا۔ کیا یہ نظریہ پرستی نہیں اور کیا نظریہ پرستی شرک نہیں؟

حدیث کا متن عثمانی صاحب کے معنی کی تکذیب کرتا ہے

حدیث میں ہے:۔

فَقَالُوْا: مَا شَانُهٗ أَهَجَرَ؟ صحابہؓ نے کہا: آپؐ کی کیا حالت ہے؟ کیا

اِسْتَفْهِمُوْهُ فَذَهَبُوْا يَرُدُّوْنَ عَلَيْهِ (صحیح بخاری کتاب المغازی باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم ووفاتہ)	آپؐ رخصت ہو رہے ہیں؟ آپؐ ہی سے پوچھ لیں (کہ کیا معاملہ ہے)۔ الغرض وہ آپ سے پوچھنے لگے۔

اگر عثمانی صاحب کے ترجمہ کو صحیح مانا جائے تو یہ عجیب چیز سامنے آتی ہے کہ ایک طرف تو صحابہؓ یہ کہہ رہے ہیں کہ آپ کو بحران ہو گیا ہے اور دوسری طرف وہ آپؐ سے اصل حقیقت بھی دریافت کر رہے ہیں۔ بحران زدہ شخص سے پوچھنے کی کیا ضرورت تھی؟ کیا یہ ممکن ہے کہ بحران زدہ شخص سے استصواب کیا جائے۔ بحران زدہ شخص سے استصواب کرنا اس بات کی علامت ہے کہ استصواب کرنے والا خود بحران کا شکار ہے۔ کیا سب کو بحران ہو گیا تھا۔ نعوذ باللہ من ذٰلک۔

۳۔ گستاخی | عثمانی صاحب کہتے ہیں صحابئ رسول حضرت عمرو بن العاصؓ پر بحرانی کیفیت طاری تھی اس لئے انہوں نے ایسی غلط بات کہی۔

افسوس ہے کہ عثمانی صاحب اسے بحران کہہ رہے ہیں حالانکہ حضرت عمرو بن العاصؓ نے تو وہی بات کہی تھی جو حدیث میں موجود ہے:۔

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا فَرَغَ مِنْ دَفْنِ الْمَيِّتِ وَقَفَ عَلَيْهِ فَقَالَ اسْتَغْفِرُوْا لِاَخِيْكُمْ ثُمَّ سَلُوْا لَهُ بِالتَّثْبِيْتِ فَاِنَّهُ الْآنَ يُسْئَلُ (رواہ ابوداؤد وسندہ صحیح۔ مرعاۃ جلد اول ص۱۳۸)	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی میت کے دفن سے فارغ ہوتے تو اس پر کھڑے رہتے پھر فرماتے اپنے بھائی کے لئے مغفرت کی دعاء کرو پھر اس کے لئے ثابت قدمی کی دعاء کرو اس لئے کہ اس وقت اس سے سوال کیا جا رہا ہے۔

الغرض حضرت عمرو بن العاصؓ نے یہ بات اگرچہ سیاق الموت میں کہی تھی لیکن بالکل صحیح بات کہی تھی۔

۴۔ کیا یہ کفر نہیں؟ عثمانی صاحب نے تو حد ہی کر دی، وہ رسولؐ جس کے متعلق اللہ تعالےٰ کا ارشاد گرامی ہے:-

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ رسول اپنی خواہش سے نہیں بولتا، وہ
اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ○ جو کچھ کہتا ہے وحی ہوتی ہے۔

(النجم - ۳ و ۴)

وہ رسول جس نے خود اپنے متعلق فرمایا تھا:-

مَا يَخْرُجُ مِنْهُ اِلَّا حَقٌّ - (رواہ ابوداؤد فی کتاب العلم سکت عنہ ابوداؤد والمنذری وسندہٗ صحیح) اس زبان سے سوائے حق کے اور کچھ نہیں نکلتا۔

اُسی صادق و مصدوق رسولؐ کے متعلق یہ گستاخی کہ آپ بحران کا شکار رہتے! اللہ اللہ! کیا یہ الفاظ ایمان کی غمازی کرتے ہیں؟ کیا مندرجہ بالا آیت اور حدیث کی روشنی میں کوئی مسلم یہ کہہ سکتا ہے کہ دینی معاملات میں یا وصیت اور نصیحت کرتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے غلط بات نکل جایا کرتی تھی۔ نعوذ باللہ من ذٰلک۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بجائے لکھوانے کے زبانی ہی وصیتیں کر دیں مثلاً آپؐ نے فرمایا۔

۱۔ اَخْرِجُوا الْمُشْرِكِيْنَ مِنْ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ۔ مشرکین کو جزیرۂ عرب سے نکال دینا۔

۲۔ أَجِيزُوا الْوَفْدَ بِنَحْوِ مَا كُنْتُ أُجِيزُهُمْ۔ (صحیح بخاری کتاب المغازی باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم)۔ — وفود کو اسی طرح عطیات دیتے رہنا جس طرح میں دیا کرتا تھا۔

بتلائیے ان وصیتوں میں کونسا بحران پایا جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت میں جو باتیں یا وصیتیں کیں ان کا خلاصہ یہ ہے :۔

① حضرت فاطمہ رضی سے فرمایا : اسی مرض میں میری روح قبض ہوگی، میرے اہل میں تم سب سے پہلے مجھ سے ملاقات کروگی۔ (صحیح بخاری کتاب المغازی)۔ یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی۔

② آپؐ نے فرمایا : (اے اللہ) ان لوگوں کا مجھے رفیق بنادے جن پر تونے انعام کیا۔ (حوالہ مذکور)

③ آپؐ نے دعا کی : اے اللہ رفیق اعلےٰ میں (مجھے پہنچادے) (حوالہ مذکور)

④ آپؐ نے دعا کی : اے اللہ میری مغفرت فرما، مجھ پر رحم فرما اور رفیق (اعلےٰ) سے مجھے ملادے (حوالہ مذکور)

⑤ آپؐ نے فرمایا : اللہ یہود اور نصاریٰ پر لعنت کرے انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجد بنالیا۔

جو کچھ یہود اور نصاریٰ نے کیا تھا آپ اس سے مسلمین کو ڈرا رہے تھے۔ (حوالہ مذکور)

(۶) آپؐ نے فرمایا: اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ بے شک موت کے وقت سکرات ہوتی ہے۔ (حوالہ مذکور)

(۷) آپؐ کے منہ پر دوا لگائی گئی۔ آپؐ نے اشارہ سے منع بھی کیا لیکن گھر والے نہیں مانے۔ جب آپؐ کو افاقہ ہوا تو آپؐ نے فرمایا: "میں نے تم کو دوا لگانے سے منع نہیں کیا تھا؟" گھر والوں نے جواب دیا "ہم نے خیال کیا کہ مریض تو دوا سے کراہت کیا ہی کرتا ہے"۔ آپؐ نے فرمایا: گھر میں جتنے بھی ہیں سب کے منہ میں دوا لگائی جائے گی سوائے عباسؓ کے اس لئے کہ وہ تمہارے ساتھ شریک نہیں تھے (حوالہ مذکور)

اس پیشین گوئی کے مطابق سب کے منہ پر دوا لگائی گئی (رواہ محمد بن سعد فتح الباری کتاب المغازی باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم جزء ۹ صفحہ ۲۱۴)

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مرض الموت میں بھی آپؐ کو اتنا ہوش تھا کہ حضرت عباسؓ دوا لگانے میں شریک نہیں تھے۔ جس نبی کا یہ حال ہو اس کے متعلق یہ کہنا کہ بحران تھا سراسر نادانی بلکہ بے ایمانی ہے۔

کیا اس حدیث سے ثابت نہیں ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت بیماری کی حالت میں بھی عام مریضوں کی سی نہیں ہوتی تھی۔ آپؐ نے بیماری میں جو کچھ فرمایا وہ حق تھا، گھر والوں کا خیال غلط تھا۔ مزید برآں آپؐ نے مرض الموت میں جو پیشین گوئی فرمائی وہ حرف بحرف پوری ہوئی۔ کیا یہ سب چیزیں بحران کی علامت ہیں؟

(۸) آپؐ نے کتاب اللہ پر عمل کرنے کی وصیت کی (حوالہ مذکور)

(۹) آپؐ نے فرمایا: "اسامہ کے لشکر کو روانہ کر دینا"۔ (فتح الباری

جزء ۹ ص۲۱۸)

یہ لشکر مالِ غنیمت کے ساتھ فاتحانہ واپس آیا (فتح الباری جزء ۹ ص۲۱۸)

(۱۰) آپؐ نے فرمایا: "یہ لوگ (یعنی اہلِ کتاب) جب ان میں سے کوئی صالح آدمی مرتا تو اس کی قبر پر مسجد بنا لیا کرتے تھے، پھر اس میں تصویریں بنایا کرتے تھے، یہ لوگ اللہ کے نزدیک بدترین مخلوق ہیں۔" (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(۱۱) آپؐ نے فرمایا: "تم سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں وہ اپنے انبیاء اور صالحین کی قبروں کو مسجد بنا لیا کرتے تھے۔ خبردار، تم قبروں کو مسجد نہ بنانا، میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں۔" (صحیح مسلم)

(۱۲) آپؐ نے فرمایا: "اہلِ حجاز کے یہودیوں کو اور اہلِ نجران کو جزیرۂ عرب سے نکال دینا اور جان لو کہ سب سے بدتر لوگ وہ ہیں جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجد بنا لیا۔" (رواہُ احمد وسندہٗ صحیح۔ تحذیر الساجد للالبانی ص۲۳)

(۱۳) بخار کی شدت میں آپؐ نے فرمایا: "کسی مسلم کو جب کوئی مصیبت پہنچتی ہے خواہ وہ کانٹا چبھنے کی تکلیف ہو یا اس سے زیادہ تو اس کی وجہ سے اللہ اس کے گناہوں کو اس طرح جھاڑ دیتا ہے جس طرح درخت کے پتے جھڑتے ہیں۔" (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

وغیرہ وغیرہ

کیا یہ باتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت وصداقت کی غمازی کرتی ہیں یا بحران وہذیان کی۔ ایمان والوں کے لئے تو یہ باتیں حق وصداقت کا روشن مینار ہیں۔

الغرض تمام وصیتیں اور باتیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض کی شدت میں کیں اور اپنی زندگی کے آخری دن کیں وہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بحران کی نسبت کی تکذیب کرتی ہیں۔

عثمانی صاحب ذہن پرستی کے عمیق غار میں جا پڑے تھے۔ ذہن پرستی کی اتنی مکروہ مثال ملنا مشکل ہے۔

نوٹ: ڈاکٹر عثمانی کی کتابوں کے نام بدل دیئے گئے ہیں۔ ہم نے اکثر جگہ نئے نام بھی لکھ دیئے ہیں تاکہ قارئین کو حوالے تلاش کرتے میں دقت نہ ہو۔

سلسلہ اشاعت ۹۶

غیر مقلّدین میں تقلید کی شدّت
ذہن پرستی کے کرشمے

ایک فرقہ غیر مقلد ہونے کا دعویٰ کرتا ہے، اُس کے دعوے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُس میں کہیں تقلید کا نام و نشان نہیں ہوگا لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔ اس فرقہ کا حال یہ ہے قرونِ اولیٰ کے ائمہ کی تقلید کو حرام بلکہ شرک کہتا ہے لیکن ماضی قریب یا دورِ حاضر کے علماء کے فتووں اور قیاس پر بے دلیل اور بلا تامّل عمل کرتا ہے اور طرفہ یہ کہ ان علماء کی تقلید کو تقلید نہیں سمجھتا۔ اس فرقہ کی مثال ہمارے ہاں کے اُن دو فرقوں جیسی ہے جو ایک ہی مسلک کے ماننے والے ہیں، ان میں سے ایک فرقہ جب انبیاءؑ اور اولیاءؒ کی تعریف میں غُلو کرتا ہے اور ان کو اللہ عزّ وجل سے جا ملاتا ہے تو دوسرا فرقہ انہیں مشرک کہتا ہے لیکن جب اپنے پیر صاحب کا معاملہ آتا ہے تو یہ دوسرا فرقہ وہ سب کچھ کر گزرتا ہے جو پہلا فرقہ انبیاءؑ اور اولیاءؒ کے ساتھ کرتا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ لیکن اس کو شرک نہیں سمجھتا۔ بالکل یہی حال غیر مقلدین کا ہے۔ دوسرے اگر ائمہ دین کی تقلید کرتے ہیں تو یہ انہیں مشرک کہتے ہیں لیکن جب اپنے علماء کا معاملہ آتا ہے تو ان کی تقلید کرنے والوں کو مشرک نہیں کہتے۔ شاعر نے کیا خوب کہا ہے "کرے غیر گر بت کی پوجا تو کافر......" کتنی حیرت کی بات ہے کہ اگر کسی

امام کا فتویٰ پیش کیا جائے تو اس کے ثبوت میں حدیث کا مطالبہ کرتے ہیں لیکن ماضی قریب یا اپنے دور اور اپنے علاقہ کے علماء کے فتووں کو بے دلیل تسلیم کرتے ہیں اور جو تسلیم نہ کرے اُسے برا سمجھتے ہیں۔ اس سلسلے میں چند باتیں درج ذیل ہیں، ملاحظہ فرمائیے اور پھر ٹھنڈے دل سے فیصلہ کیجئے کہ ہماری معروضات کہاں تک صحیح ہیں۔

① **مسجد کا جلسۂ افتتاح**: اگر اس جلسہ کی دلیل طلب کی جائے تو جواب ملتا ہے کہ بڑے بڑے علماء کرتے آئے ہیں۔

② **جلسۂ تعزیت اور قرار دادِ تعزیت**: اگر ان دونوں باتوں کے سلسلے میں سنّت سے ثبوت طلب کیا جائے تو کہتے ہیں "بڑے بڑے علماء کرتے آئے ہیں"۔

③ **مسجد کا سنگِ بنیاد رکھنے کے سلسلے میں جلسہ**: جب دریافت کیا جائے کہ اس جلسہ کی کیا سند ہے تو جواب وہی ملتا ہے۔

④ **فرض نماز کے بعد اجتماعی دعاء**: اس سلسلہ میں حدیث طلب کی جائے تو کہتے ہیں کہ بڑے بڑے علماء کرتے آئے ہیں یا کبھی انفرادی دعاء کا ثبوت پیش کر کے اسی پر اجتماعی دعاء کو قیاس کر لیتے ہیں۔

⑤ **آیۂ کریمہ "ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ" کے جواب میں "اَللّٰهُمَّ حَاسِبْنِيْ حِسَابًا يَّسِيْرًا" پڑھنا**: اگر اس دعاء کا ثبوت طلب کیا جائے تو جواب وہی ملتا ہے یا کبھی یہ مغالطہ دیا جاتا ہے کہ یہ دعاء حدیث میں ہے لہٰذا اس کا پڑھنا بدعت نہیں حالانکہ حدیث میں اس آیت کے جواب میں اس دعاء کے پڑھنے کا کوئی ثبوت نہیں۔

کبھی یہ لوگ ہم سے پوچھتے ہیں کہ اچھا آپ ہی بتائیں کہ اس آیت کے جواب میں کیا پڑھا جائے، جب ہم ان سے کہتے ہیں کہ اگر دعاء کا مقرر کر لینا ہمارے اختیار میں ہوتا تو ہم آپ ہی کو کیوں روکتے تو اپنے مقلدین سے کہتے ہیں ان کی بات نہ سنو، ان کے پاس کسی مدرسہ کی سند نہیں۔

ذیل میں ہم ان لوگوں کی چند باتیں اور لکھ رہے ہیں جن کے ثبوت میں بس یہ علماء کے فعل کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔

(۶) رمضان میں ختم قرآن مجید کے بعد جلسہ۔

(۷) ایصال ثواب کے لئے جلسۂ قرآن خوانی۔

(۸) میّت کے گھر جا کر تعزیت کے بعد اجتماعی دعاء مغفرت۔

(۹) تعویذ، گنڈے۔

(۱۰) مراقبے۔

(۱۱) الا اللہ کی ضربیں لگانا۔

(۱۲) ذکر کے حلقے۔

(۱۳) مسنون تصوّف ۔ ایک غیر اسلامی چیز کے ساتھ مسنون کا لفظ لگانا کتنی بڑی جرأت ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے اسلامی سوشلزم یا رقص وسرود کو اسلامی ثقافت کہنا۔

(۱۴) شب قدر میں جلسے اور مجالس دعاء کا انعقاد۔

(۱۵) ربیع الاوّل کے مہینہ میں سیرت کانفرنس یا جلسۂ سیرت النبی ﷺ ۔ حالانکہ ربیع الاول کے مہینہ کے علاوہ بھی اس کانفرنس یا جلسہ کا کوئی ثبوت نہیں۔

⑯ فرقہ وارانہ نام۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آپ صرف قرآن مجید اور حدیث شریف کے ماننے کے مدعی ہیں، ذرا اپنے فرقہ وارانہ نام (اہلحدیث) کا ثبوت تو قرآن مجید یا حدیث شریف سے دیجیئے تو قرآن مجید کے نام کا ثبوت دیتے ہیں۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ہم قرآن مجید کے نام کا ثبوت نہیں مانگتے، ہم تو آپ کے فرقہ وارانہ نام کا ثبوت مانگتے ہیں تو کہتے ہیں آپ قرآن مجید کے منکر ہیں۔

ان لوگوں کا دعویٰ ہے کہ اہلحدیث نام قرآن مجید یا حدیث شریف میں ہے، لیکن اس دعوے کے ثبوت میں وہ آج تک کوئی دلیل پیش نہ کرسکے، ڈوبتے کو تنکے کا سہارا ایک صحابی کا قول پیش کرتے ہیں جو انہوں نے طلبار سے کہا تھا حالانکہ اس قول میں عوام کو اس نام سے پکارنے کی کوئی دلیل نہیں۔ مزید برآں صحابی کے اس قول کی سند میں ایک راوی ابو ہارون العبدی بقول امام بخاریؒ کذّاب ہے، پھر بھی یہ لوگ اس جعلی قول کو پیش کرتے ہیں۔ ان کا اس بناوٹی قول کا سہارا لینا انتہائی افسوسناک ہے۔

ان میں ایک ذیلی فرقہ اور نکل آیا ہے، اس نے اس فرقہ وارانہ نام کے ساتھ ایک لفظ "غربار" اور بڑھالیا ہے معلوم نہیں اب یہ اضافہ شدہ نام اصلی نام ہے یا بغیر اضافہ کا نام اصلی نام ہے۔ تقلید اتنی رچ گئی ہے کہ پوچھتا کوئی نہیں۔ تقلید کی اس شدّت پر اب تو انہی کے سنجیدہ عالم چیخ اٹھے ہیں لیکن نتیجہ کچھ نہیں۔

⑰ کتاب وسنّت کا نام ہر وقت زبان پر ہے لیکن جب ان سے

پوچھا جائے کہ ترکِ سنّت جائز ہے یا گناہ، تو کہتے ہیں کہ جائز ہے، گناہ نہیں۔ قارئین کو حیرت ہو رہی ہوگی کہ یہ ہم کیا سن رہے ہیں، سُنّت پر مٹنے والے سنّت کے ترک کو جائز سمجھیں گے یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ قارئین کرام کو حیرت ہو یا نہ ہو حقیقت تو یہی ہے۔

(۱۸) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کو بغیر کسی قرینۂ صارفہ کے نفل سمجھتے ہیں، گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت فرض نہیں، نفل ہے۔

(۱۹) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل میں تضاد تسلیم کرتے ہیں، کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کام کو منع کرنے کے بعد خود اس کام کو اس لئے کرتے تھے کہ اس کا جواز ثابت ہو جائے، سوال یہ ہے کہ پھر منع کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ آپ یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ ایسا کر لینا جائز تو ہے لیکن نہ کرنا افضل ہے، کم از کم اس کا یہ فائدہ تو ہوتا کہ غیر مسلم یہ نہ کہتے کہ تمہارے نبی جو کہتے تھے وہ کرتے نہیں تھے۔ نبوّت پر کتنی بڑی چوٹ ہے لیکن ذہن پرستی کو سب کچھ گوارا ہے۔

(۲۰) ابھی کچھ عرصہ پہلے ان کے امیر صاحب نے قیاس کو حجّت مان لیا (الاعتصام لاہور مورخہ ۲۰، ۲۷ اپریل ۱۹۷۹ء ص ۸)، کوئی نہیں پوچھتا کہ قیاس کب سے حجّت شرعیّہ بن گیا بلکہ ایک پروفیسر صاحب نے ان کی تائید کر دی اور اوپر کی تمام باتوں کا جواب قرآن و حدیث سے دینے کے بجائے قیاس سے دینے کو کافی سمجھ لیا، اب اگر پوچھا جائے کہ آپ کا یہ فرقہ وارانہ نام کہاں سے آیا تو جواب ملتا ہے "قیاس سے اور قیاس

حجّت ہے"۔ اگر پوچھا جائے کہ "ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ" کے جواب میں "اَللّٰهُمَّ حَاسِبْنِیْ حِسَابًا یَّسِیْرًا" کہاں سے آیا تو کہتے ہیں : "قیاس سے"، گویا انہوں نے بھی تقیہ جیسا ایک ہتھیار ایجاد کر ہی لیا، لیجئے اب کونسی بات رہی جس کا جواب نہ دیا جاسکے۔ اللہ تعالےٰ کا دین لوگوں کے قیاس کا مجموعہ بن گیا، گویا دین کامل نہیں ہے، قیامت تک قیاس ہوتے رہیں گے اور دین بنتا رہے گا۔ قارئین کرام کو حیرت ہوگی کہ جن لوگوں کے ہاں صحابی کا قول حجّت نہیں ان کے ہاں کسی عالم کا قیاس کیسے حجّت ہوگیا، ہم اس کا کیا جواب دیں، ہمیں خود حیرت ہے۔

گویا اسلام اب صرف وحی کا نام نہیں رہا بلکہ وحی اور قیاس کے مجموعہ کا نام ہے، جہاں سے یہ لوگ مقلّدین سے علیحدہ ہوئے تھے وہیں ان سے آملے! بتایئے اب ان میں اور مقلّدین میں کیا فرق رہا؟

بہرحال جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں اور کر رہے ہیں نام قرآن مجید اور حدیث نبوی ہی کا لیتے ہیں لیکن اپنے اِن اقوال و افعال پر قرآن مجید اور حدیث نبوی سے کوئی ثبوت پیش کرنے سے عاجز ہیں، یہی وجہ ہے کہ اپنے عجز پر پردہ ڈالنے کے لئے قیاس کا دفاعی ہتھیار انہیں ایجاد کرنا پڑا۔

الغرض علماء اپنے کسی گذشتہ عالم کے مقلّد ہیں اور عوام اپنے موجودہ علماء کے۔

ذہن سازی

ان کے علماء نے عوام کی ذہن سازی تین طریقے سے کی ہے:

۱۔ اعتراض کرنے والے کے پاس کسی دینی مدرسہ کی سند نہیں لہذا اُس کی کسی بات کو نہ سنو۔

۲۔ بڑے بڑے علماء کرتے آئے ہیں، کیا یہ ان سے بڑے عالم ہیں؟
۳۔ یہ کام قیاس سے نکالا گیا ہے اور قیاس حجت ہے۔
ذہن سازی کے نتیجے میں ذہن پرستی اتنی مستحکم ہو گئی ہے کہ الامان الحفیظ!! اب کوئی ان سے منوائے تو کیسے منوائے؟
ان میں چند لوگ ایسے ہیں جو مندرجہ بالا بدعات کو بدعات سمجھتے ہیں اور صاف کہتے ہیں کہ ہم ان علماء کے معتقد نہیں لیکن ان سے عقیدتاً اس قدر منسلک ہیں کہ اُن سے بیزاری کا اظہار بھی نہیں کرتے۔
ہم اہلحدیث کو فرقہ سمجھتے ہیں، اس سلسلہ میں عرض ہے کہ ہم ہی نہیں بلکہ انہی کے ایک بڑے عالم نے بھی ان کو فرقہ تسلیم کر لیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ یہ جماعت "ایک تحریک کے بجائے ایک فرقہ بن کر رہ گئی ہے"۔ (ماہنامہ محدث لاہور، بابت ماہ جمادی الاولیٰ والآخرۃ ۱۴۰۰ھ ص ۲۲۶ سطور ۱۸ ر ۱۹)

ذہن پرستی کی حفاظت

ذہن سازی کے نقشے بھی آپ نے دیکھے، ذہن پرستی کی کرشمہ سازیوں کا بھی آپ نے مطالعہ کیا، اب ذرا یہ بھی دیکھئے کہ ذہن پرستی کی حفاظت کس کس طریقے سے کی جاتی ہے! جو چیز ذہن میں سمائی ہوئی ہے اُسے نکالنا گوارا نہیں لہٰذا طرح طرح کی باتیں بنائی جاتی ہیں:۔
(۱) کوئی کہتا ہے کہ ہم آپ کی بات ہی سننا نہیں چاہتے، ہمیں غلطی ہی پر رہنے دیجئے۔ ہم اپنی قبر میں جائیں گے، آپ اپنی قبر میں۔ آپ اپنی

نبیڑ یئے۔

(۲) کوئی کہتا ہے کہ ہم اپنے آبا ر و اجداد کے ساتھ ہیں، اگر وہ دوزخ میں جائیں گے تو ہمیں بھی دوزخ میں جانا منظور ہے، ہم انہیں دوزخ میں چھوڑ کر جنت میں نہیں جائیں گے۔

(۳) کوئی کہتا ہے کہ آپ علماء سے بات کیجئے، اگر وہ مان لیں گے تو ہم بھی مان لیں گے۔

(۴) کوئی مقرر یا واعظ یہ کہتا ہے کہ یہ بات علماء سے پوچھئے، ہم سے نہیں، گویا وہ کسرِ نفسی کا اظہار کرکے اپنی ذہن پرستی کے اطراف ایک حصار کھینچ لیتا ہے۔

(۵) کوئی عالم یہ کہتا ہوا نظر آتا ہے کہ تم جاہل ہو، فقہ اور فقہاء کی باتیں تمہاری سمجھ سے بالاتر ہیں۔

(۶) کوئی کہتا ہے کہ تم ظاہری ہو، رموزِ شریعت کو تم نہیں سمجھ سکتے۔

(۷) کوئی کہتا ہے "بڑے بڑے علماء ایسا کرتے آئے ہیں، لہٰذا یہی صحیح ہے"۔

(۸) کوئی عالم محض لمبی تقریروں سے سامعین کو مرعوب کرکے مخالف کے مقابلہ میں اپنا سکہ بٹھا لیتا ہے۔

(۹) کوئی عالم غیر موجود کتابوں کا غلط حوالہ دے کر اپنا پیچھا چھڑا لیتا ہے۔

(۱۰) کوئی عالم قرآن مجید اور حدیث شریف کی من مانی تاویل کرکے یا کسی صحیح حدیث کو بلا وجہ ضعیف کہہ کر اپنے نظریہ کی قلعہ بندی کر لیتا ہے۔

غرض یہ کہ توحید و سنّت کی اشاعت و تبلیغ ایک مشکل کام بن گیا ہے، بہر حال کوشش کرنا ہمارا کام ہے، ہدایت دینا اللہ تعالے کا کام ہے، اللہ تعالے ہماری مدد فرمائے، ہم سب کو صراطِ مستقیم پر گامزن ہونے اور اس پر استقامت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

اسلام انصاف کا مقتضی ہے، اللہ تعالے فرماتا ہے۔

وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا، اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی، وَاتَّقُوا اللّٰهَ (مائدۃ ۔ ۸)

کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو۔ نہیں بلکہ تمہیں انصاف ہی کرنا چاہیئے، تقوے کے یہی قریب ہے، اور اللہ سے ڈرتے رہو۔

اللہ تعالے کے واسطے، اللہ تعالے کے خوف سے یہ شنآن، یہ ضد، یہ بغض دلوں سے نکال دیجئے، ذہن پرستی کو بالائے طاق رکھیئے اور زُلْ مَعَ الْحَقِّ حَیْثُ زَالَ (جدھر حق گھومے، اُدھر ہی گھوم جایئے) یہی تقوٰی ہے، یہی دیانت ہے۔ یہی ایمان ہے، یہی توحید ہے۔